رضا اکیڈمی کا دینی، علمی، اصلاحی و ادبی مجلّہ

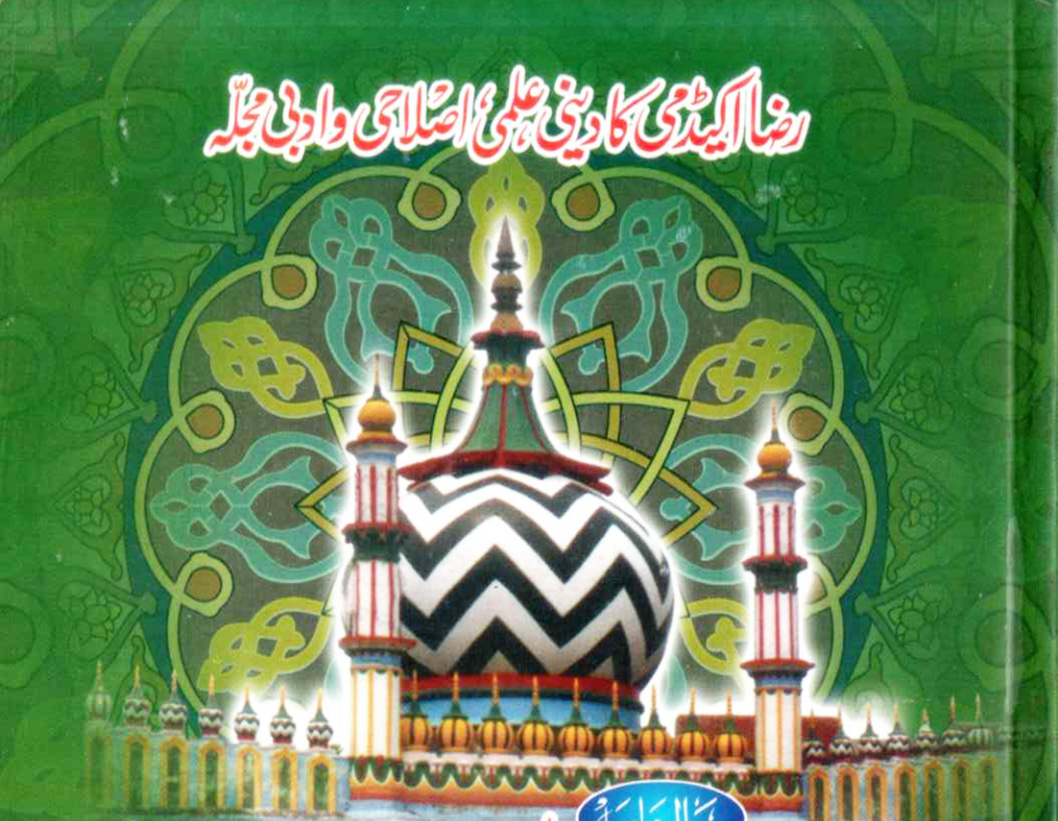

سالنامہ

یادگارِ رضا

۱۴۳۹ھ
۲۰۱۷ء

مؤسس: الحاج محمد سعید نوری مدظلہ العالی

مرتب غلام مصطفےٰ رضوی

رضا اکیڈمی

بہ فیض حضور مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مؤسس: الحاج محمد سعید نوری مدظلہ العالی

رضا اکیڈمی ممبئی کا دینی، علمی و ادبی مجلّہ

سال نامہ

یادگارِ رضا

۱۴۳۹ھ/ ۲۰۱۷ء

شمارہ: ۲۴

مدیر: غلام مصطفیٰ رضوی

[نوری مشن مالیگاؤں]

ناشر: رضا اکیڈمی

۵۲ رڈونٹاڈ اسٹریٹ، کھڑک، ممبئی ۴۰۰۰۰۹

Ph.: (022) 66342156 www.razaacademy.com

e-mail : mumbai.razaacademy@gmail.com

معارفِ یادگارِ رضا

مسافرت

۱ اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز — غلام مصطفیٰ رضوی — ۳

تحریکات

۲ جماعت رضائے مصطفیٰ کی گراں قدر خدمات — محدث اعظم ہند کچھوچھوی علیہ الرحمہ — ۸

توضیحات

۳ امام احمد رضا اور سائنسی مصطلحات — پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری — ۱۸

نظریات

۴ تعلیم اور فکر رضا — غلام مصطفیٰ رضوی — ۲۸

انتقادیات

۵ ابدالِ وقت سے متعلق اعتراض کا جواب — میثم عباس قادری رضوی — ۴۱

نوریات

۶ تحریک التوائے حج اور مفتی اعظم ہند — مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی — ۴۹

۷ الملفوظ کا مقام اور مفتی اعظم — مولانا فیضان المصطفیٰ مصباحی — ۶۳

منظومات

۸ یہ مجلس غزل نہیں منھ کو ذرا لگام دو [نعت] — حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا ازہری — ۸۴

۹ قصیدہ در شانِ مجدد اعظم امام احمد رضا — مولانا محمد سلمان رضا فریدی مصباحی — ۸۵

ادبیات

۱۰ امام احمد رضاؔ اور امیرؔ مینائی — ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی — ۸۷

تحقیقات

۱۱ حضور حجۃ الاسلام اور فقہ و افتا — محمد راحت خان قادری — ۹۳

مقالات

۱۲ تعظیم سادات اور امام احمد رضا — مولانا محمد اسلم رضا قادری اشفاقی — ۱۲۵

۱۳ خدمتِ قرآن کریم اور امام احمد رضا — غلام مصطفیٰ قادری رضوی — ۱۳۳

خدمات

۱۴ مفتی اعظم کا ذرّہ کیا بنا اخترؔ رضا — علامہ سید مظفر شاہ قادری رضوی — ۱۴۳

۱۵ رضا اکیڈمی کی خدمات [۲۰۱۶-۱۷ء میں] — ادارہ — ۱۴۵

❁❁❁

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز

موجودہ زمانہ میں اسلام کے خلاف سازشوں کا بڑا زور ہے۔ ہر روز نئے تماشے، نئے ہنگامے، نئی سازشیں، نئے منصوبے سامنے آتے ہیں۔ ہندوستان میں جس طریقے سے مسلم قوم کو نشانہ بنایا جارہا ہے؛ اسلامی شناخت، شرعی معاملات، اسلامی قوانین پر رکیک حملے، حقوقِ اسلامی پر تنقید روز کا معمول بن چکے ہیں۔ خارجی حملوں نے ماحول کی تباہی میں جو رول ادا کیا وہ چھپا نہیں؛ اسی کے ساتھ داخلی یورش بھی اِس قدر بڑھ چکی ہے کہ؛ ان سے بچنا آساں نہیں رہا، ایماں کے رہ زَن چار سُو پھر رہے ہیں، کہیں جبہ و دستار میں، کہیں لباسِ خضر میں، کہیں ردائے تصوف اوڑھ رکھی ہے، تو کہیں رافضیت و خارجیت کی پوشاک میں ؎

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

۱۹۱۹ء میں جب کہ سیاسی تحریکوں کا بڑا زور تھا، دینی اُصولوں کو شرکیہ مراسم پر نثار کیا جارہا تھا، ذبیحہ و دیگر اسلامی معمولات سے متعلق گاندھی کی آندھی مسلم معاشرے میں چلائی جارہی تھی، مسلمانوں کے تعلیمی اداروں کو اپنے ہاتھوں ترکِ موالات کے نام پر برباد کیا جارہا تھا، ہندو یونی ورسٹی بنارس جیسے ادارے ترکِ موالات کی زد سے مکمل محفوظ تھے، مشرکین کے مفادات کی خاطر اسلامی اُصولوں کی جس طرح پامالی کی جارہی تھی؛ اگر اس کے مقابل امام احمد رضا کی کاوشات سدِ سکندری نہ بنتیں تو عہدِ اکبری کا فتنۂ الحادئ شکل میں جڑ پکڑ چکا ہوتا۔ اور دین کی شناخت مشرکین کی سازشوں میں مدغم ہو کر رہ جاتی۔ ایسے پُرآشوب زمانے میں امام احمد رضا نے شرعِ اسلامی کے تحفظ کے لیے اقتدار و سیاسی بساط کی پروا؛ نہ کرتے ہوئے بڑے جرأت مندانہ فیصلے فرمائے اور اپنے فتاویٰ کے ذریعے خلافِ اسلام راہوں کی قلعی کھول دی، فتنوں کے رُخ سے نقاب اُلٹ کر سرمایۂ ملت کی نگہ بانی کی۔ ؎

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہ باں
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

موجود عہد میں فرقہ پرستوں کی سازشیں عروج پر ہیں، پھر تاریخ دوہرا رہی ہے، اسلامی

شعائر کی مخالفت میں اقتدار مکمل توانائی سے لیس میدان میں ہے، فرقہ پرست عناصر مراسمِ اسلامی پر قدغن لگانے کے لیے کوشاں ہیں، ہر برائی کو سہارا دیا جارہا ہے اور اسلامی نظام پر پے در پے حملے کیے جارہے ہیں، جس سے مسلمان عدم تحفظ کا احساس کر رہے ہیں۔ حالات کی بے اعتدالی سے عہدِ رضا کا پس منظر نگاہوں میں گھوم جاتا ہے۔ محسوس نگاہیں اس بات کی طرف متوجہ کر رہی ہیں کہ اے علمائے حق و اہلِ نظر! اپنے زاویوں سے نکل کر رسم شبیری ادا کرو۔ امام احمد رضا کی یاد تازہ کردو۔ ان کے افکارِ تابندہ اور روشن نقوش اُجاگر کر کے مسلمانوں کی رہبری کا فریضہ انجام دے کر فتنہ و سازش کے مقابل ناقابلِ تسخیر فصیل قائم کردو۔ تاکہ دین کا روشن چہرہ آلودہ نہ ہو سکے۔

ہر زمانے میں دین کی پہچان چنیدہ شخصیات رہیں؛ جن کے کارہائے نمایاں سے ایوانِ باطل لرزتا رہا، جن کی صدائے حق قصرِ باطل میں شگاف ڈالتی رہی اور جن کا فضل و کمال مغربی مفکرین کے ملحدانہ نظامِ تعلیم کے مقابل اسلامی اُصولوں کا عملی نمونہ بن کر دُنیا کے سامنے آیا۔ ایسی ہی نابغۂ روزگار اور عبقریِ زماں ذات کا نام امام احمد رضا قادری محدث بریلوی ہے، آپ کی علمی برتری، فکری بانک پن، جودتِ طبع اور مقیاسِ ذہانت و تفوق تحقیق دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، امام احمد رضا کی یہ کتابیں میرے دعوے پر دلیل ہیں، جن کے اوراق کا مطالعہ نگاہوں کو بصیرت اور دل کو سُرور عطا کرے گا:

[۱] الدولة المكية بالمادة الغيبية (علوم مصطفیٰ ﷺ پر ایمان افروز دلائل کا خزینہ)
[۲] كفل الفقيه الفاهم فی احكام قرطاس الدراهم (کرنسی سے متعلق شرعی رہنمائی و اقتصادی تجاویز)
[۳] المحجة المؤتمنة فی آية الممتحنة (سیاسی خلافِ شرع نظریات کی اصلاح)

تدبر و تفکر:

سیاسی تدبر و بصیرت نے کئی ایسی تحریکوں کو بے نقاب کیا جن کا راست حملہ شریعتِ اسلامی پر تھا، اس ضمن میں امام احمد رضا کی یہ کتابیں یادگار رہیں؛ جن کی اشاعت عصرِ رواں میں مسلمانوں کے لیے مینارۂ نور ہوگی:

[۱] اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام
[۲] انفس الفكر فی قربان البقر

جب پادریوں نے فصیلِ حق میں شگاف ڈالنے کی کوشش کی تو ان کی پسپائی کے لیے امام احمد رضا نے معرکہ آرا کتاب ''الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام'' لکھ کر قرآنی بصیرت کی روشنی سے نہاں خانۂ دل کو روشن روشن کر دیا۔ اصلاحی رُخ سے ''مروج النجا لخروج النساء'' اور نظریاتی اصلاح کے

لیے ''تیسیر الماعون للسکن فی الطاعون'' جیسی تصنیف یادگار قرار دی جاسکتی ہے۔ایمان کی حلاوت اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لذت بڑھانے کے لیے ''شفاء الوالہ فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ'' جیسی کتاب لکھی؛ بدعات ومنکرات کے سدِ باب کے لیے ''الزبدۃ الزکیۃ فی تحریم سجود التحیۃ'' اور ''اعالی الافادۃ فی تعزیۃ الہند وبیان الشہادۃ'' جیسی تحریریں رہبر ورہنما ہیں۔

تعظیم وتکریم مصطفیٰ ﷺ:

ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں بے ادبی کی جرأت بڑھتی جارہی ہے۔امام احمد رضا کی خدمات کا نمایاں پہلو تحفظِ ناموسِ رسالت ہے۔خود فرماتے ہیں ؎

عرشِ حق ہے مسندِ رفعت رسول اللہ کی
دیکھنی ہے حشر میں عزت رسول اللہ کی
مومن وہ ہے جو ان کی عزت پہ مَرے دل سے
تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مَرے دل سے

اِس عنوان پر ''تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین'' اور ''الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء'' جیسی کتب علمی سرمایہ بھی ہیں اور ایمان کی تازگی کا باعث بھی۔جب کہ بارگاہِ رسالت کے گستاخوں کو بے نقاب کرنے کے لیے استدلالی رنگ میں حرمین کی تابشوں کا خزینہ ''حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین'' ایسی کتاب ہے؛ جس کا مطالعہ فتنوں کی بیخ کنی میں معاون ہوگا۔یوں ہی روافض کی سازشوں سے باخبر رہنے کے لیے ''ردالرفضۃ'' اور شانِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں شمعِ ایماں فروزاں کرنے والی تحریریں ''الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی'' اور ''غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق'' بڑی اہمیت کی حامل ہیں،جن میں استدلال کا بحرِ عمیق موجیں مار رہا ہے،کتاب وسنت کے جلوے کشتِ ایماں کو ٹھنڈک پہنچا رہے ہیں۔اِسی طرح انگریز کی چھاؤں میں پلنے والا فتنہ-قادیانیت-امام احمد رضا کی تصنیف ''قہر الدیان علیٰ مرتد بقادیان'' اور ''المبین ختم النبیین'' سے خوف زدہ ہے۔مطالعہ کی بنیاد پر آپ کی تحقیقات سے استفادہ کرنے والا ایسی دل لگتی بات کہہ دے تو تعجب کیسا! نقشبندی قصرِ عرفاں کے ممتاز اسکالر پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کیسی دل پذیر بات کو ہِ یقیں سے کہہ کر قلم روکتے ہیں:

''مطالعہ وتحقیق کے ساتھ ساتھ یہ احساس اُبھرتا جاتا ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے نصف اول میں امام احمد رضا ہی ایسی واحد شخصیت کے مالک تھے،جس کا ہر پہلو ایک بحرِ بیکراں معلوم ہوتا ہے۔سچ تو یہ ہے کہ وہ معاصرین کو دیے جانے والے تمام القاب کے جامع ہیں..... وہ ''امام

ربانی'' بھی ہیں،وہ ''شیخ الہند'' بھی ہیں،وہ ''سحبان الہند'' بھی ہیں،وہ ''امام الہند'' بھی ہیں،وہ ''حکیم الامت'' بھی ہیں، وہ ''رئیس الاحرار'' بھی ہیں، وہ ''شاعرِ مشرق'' بھی ہیں، وہ ''شیخ الاسلام'' بھی ہیں..... بہ یک وقت وہ بہت کچھ ہیں، یہ مبالغہ نہیں.....شاید دس برس قبل راقم کو بھی یہ باتیں مبالغہ معلوم ہوتیں لیکن عین الیقین اور علم الیقین کے بعد مبالغہ نہ رہیں۔''

[اکرام امام احمد رضا،ادارۂ مسعودیہ ۲۰۰۴ء،ص ۷]

وجہِ مخالفت:

امام احمد رضا کا کام مستحکم تھا،اخلاص کا جوہر تھا،استدلال کی قوت تھی،عشقِ رسالت کا عنصر رگ وپے میں بسا تھا؛اسی لیے کم مدت میں عالم گیر شہرت پائی،مقبولیت حاصل کی۔ہمہ گیر مقبولیت سے خوف زدہ حامیانِ تشدد نے امام احمد رضا کے خلاف محاذ آرائی کی۔ناکامیوں کی دبیز تہ نے انھیں حواس باختہ کردیا۔پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں:

''چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں امام احمد رضا کے خلاف ایک ہمہ گیر تحریک چلائی گئی، جس کے کئی اسباب تھے۔یہ چار اسباب زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں:

[۱] امام احمد رضا نے مسلکِ اہلِ سنت وجماعت (سلفِ صالحین) کی پُرزور حمایت کی اور مجاہدانہ و سرفروشانہ سرگرمِ عمل ہوئے۔

[۲] امام احمد رضا نے انگریزوں کے زیرِ اثر چلنے والی ہر اصلاحی تحریک کی مخالفت کی۔

[۳] امام احمد رضا نے ہنود کے زیرِ اثر چلنے والی ہر سیاسی تحریک کی مخالفت کی۔

[۴] امام احمد رضا سے مخالفت کی سب سے بڑی وجہ مسلکِ سلفِ صالحین پر ان کی بے پناہ استقامت اور اس کی اشاعت کے لیے ان کی سرگرمی اور اس مسلک کے مخالفین پر ان کی سخت تنقیدات معلوم ہوتی ہے۔'' [تقدیم؛امام احمد رضا اور ردِ بدعات ومنکرات،رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۶ء،ص ۴۰]

کام کی ضرورت:

فتنوں کے ہجوم میں حق کے تاباں رُخسار کو ظاہر کرنا ضروری ہوگیا ہے۔اب بیدار ہوکر اپنی ذمہ داری کا احساس کیجیے۔وہ زمانہ رُخصت ہوا جب کسی طوفان کے جواب میں کوتاہی کا ازالہ ہوجاتا تھا، اب فی الفور میدانِ عمل آراستہ کرنے کی ضرورت ہے۔منفی رجحانات کے خاتمہ کا واحد حل امام احمد رضا کے افکار اور فتوؤں تک اہلِ علم کی رسائی ہے۔امام احمد رضا کے وصال کو ایک صدی ہونے آئی۔لیکن ہم نے اب تک ان کی تمام کتابوں کو شائع بھی نہیں کیا۔حواشی کا بڑا ذخیرہ بھی منتظر طباعت ہے۔کتنی ہی

تحریریں تسہیل کے مرحلۂ شوق سے گزار کر لانے کی ضرورت ہے۔

کاش! ہم بیدار ہو جائیں! تصانیفِ رضا کی اشاعت کا مبارک مشن آگے بڑھائیں۔ معاشرے کے ہر فرد تک تصانیفِ رضا کی ترسیل یقینی بنائیں۔ ادارے آگے آئیں۔ فکرِ امام احمد رضا سے شہ پارے منتخب کریں۔ اہلِ خیر مالی تعاون دیں۔ اہلِ علم مواد کی کتابت و تصحیح کر کے طباعت کی منزل سے گزاریں۔ نوجوان محنت کریں، انھیں لائبریریوں اور جامعات تک پہنچائیں۔ خواتین میں تقسیم کریں۔ گھروں گھر عام کریں۔ اہلِ تحقیق غیر مطبوعہ تصانیف پر کام کریں۔ درس گاہوں سے اُٹھنے والے فارغین میدان میں آ کر حواشی کی زلفوں کو سنواریں۔ تصانیفِ رضا کا بڑا حصہ جو حواشی پر مشتمل ہے، ان کی اشاعت کی سمت پیش قدمی نئے جہان کی دریافت ہوگی، جہاں اذانِ عشق گونجے گی اور اہلِ ایماں کے قافلے سکوں پائیں گے۔

عزم و یقیں کے اُجالے:

ابھی جذبات کی حدت بھی درکار ہے۔ خیالات کا بانک پن بھی اور افکار کی درست سمت بھی۔ عزم تازہ کیجیے۔ یقیں کی روشنی میں سو سالہ عرسِ اعلیٰ حضرت کی تیاری کیجیے۔ ایسے عظیم امام، رہبر و رہنما کی خدمت میں عقیدتوں کا یہی توشہ زیادہ مفید ہوگا کہ ان کی کتابیں، فتاویٰ، تحقیقاتِ علمیہ، شرعی فیصلے نئی کتابت، نئی طباعت، تخریج و تسہیل و تحشیہ کے ساتھ منظرِ عام پر لائے جائیں۔ کام کو بڑھایا جائے۔ کام کو پسند کیا جائے۔ کام کا مزاج مشتہر کیا جائے اور بے خطر ہو کر اشاعتِ حق کا فریضہ انجام دیا جائے ؎

اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول

☆☆☆

عرسِ رضوی کے موسمِ بہار میں حسبِ روایت رضا اکیڈمی کے اسٹال سے علمائے اہلِ سنّت کی کتابوں کے سیٹ رعایتی ہدیہ میں دست یاب ہوں گے۔ فروغِ اہلِ سنّت کے لیے کتابیں خریدیں، مطالعہ کریں، احباب و اقارب کو تحفہ دیں۔

تحفظ و دفاعِ اسلام کی تاریخ میں
جماعت رضائے مصطفیٰ کی گراں قدر خدمات کا روشن باب

محدث اعظم مولانا سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ

اِس وقت ہندوستان بڑے پُر آشوب ماحول سے گزر رہا ہے، مشرکین کی فتنہ سامانیاں زوروں پر ہیں، اسلامی شعائر، شرعی فیصلے سبھی کچھ زد پر ہیں، حتیٰ کہ ہمارا ایمانی جوہر عقیدۂ ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسلسل نشانہ بنایا جا رہا ہے، داخلی فتنوں کو بھی قوت و غذا دی جا رہی ہے، ایسے ماحول میں ہماری تاریخ کی عظیم نمائندہ جمعیت ''جماعت رضائے مصطفی بریلی'' کی یاد آجاتی ہے، جس نے آندھیوں کی زد پر اسلامی چراغ کو بجھنے نہ دیا، مشرکین کی سازشوں کا مقابلہ عزیمت کے ساتھ کیا، داخلی فتنوں کا مقابلہ کیا، ارتداد کی تیز و تند آندھیوں سے چمنِ اسلام کی پاس بانی کی، لاکھوں مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کی۔ اسی مبارک جماعت کے قائدین و مجاہدین میں ایک نمایاں نام حضور محدث اعظم ہند مولانا سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ (وصال ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) کا ہے۔ آپ اہلِ سنّت کے عظیم قائد، بے باک رہبر اور مخلص رہنما گزرے ہیں۔ جن کی خدمات کا دائرہ کئی ملکوں اور جہتوں میں پھیلا ہوا ہے۔ آپ نے اپنی خدمات کے ذریعہ اہلِ سنّت کو فیض بھی بخشا اور خطابت کا دل نشیں اسلوب عطا کیا۔ آپ نے اہلِ سنّت کی جماعتی سرگرمیوں کو دوام عطا کیا اور جماعت رضائے مصطفی کے استحکام کے لیے عملاً تگ و دو فرمائی۔ اسی جماعت مبارکہ سے متعلق آپ کے احساسات کا یہ گوشہ بڑا دل پذیر بھی ہے، تاریخ کے کئی ایک باب اس میں وا ہوتے ہیں، اپنی تاریخ کے پُر آشوب دور میں مشاہدات کی یہ داستانِ صدق ایسا لگتا ہے کہ حال کے شامیانے میں لکھی گئی ہے جس سے روشن مستقبل کی تعمیر کا مرحلۂ شوق جواں مردی سے طے کیا جا سکتا ہے۔ کاش یہ سطور دل کی نگاہ سے مطالعہ کی جائیں اور انھیں عزم و یقیں کی بزم میں آویزاں کیا جائے۔ **مدیر**

قدرت کے خزینۂ فضل و کرم میں جہاں جمال و رحمت کے بے بہا زر و جواہر ہیں وہاں اس کے خزانۂ بے نیازی میں جلال و ہیبت کے بھی اَنمول موتی ہیں۔ حقیقت شناس طبیعتیں اور حق بیں نگاہیں جمال ہو یا جلال دونوں کو ایک ہی سرکار کا عطیہ باوَر کرتی ہیں۔ دُنیا ایسے بہادروں سے خالی نہیں ہے

جو بے نیازی کے تیروں کو دل وجگر میں جگہ دیتے ہیں اور مظاہرِ جلال وہیبت کو بے مانگے کی دولت سمجھتے ہیں۔

اہلِ دنیا کو اس کا اِقرار ہے کہ کوئی اپنے لیے رحمت کے سِوا کچھ نہ طلب کرے گا؛ لیکن اسلامی تاریخ اور ہاں صرف اسلامی تاریخ ہی وہ ہے جس کے زرّیں اوراق میں ہم کو عاشقانِ بلا کی ایک طویل فہرست ملتی ہے۔

ہاں ہاں! وہ جو یہ جانتے مانتے ہیں کہ ''ہر چہ از دوست می رسد نیکوست'' وہ بلاؤں کو بھی اسی شوق اور خوشی سے لیتے ہیں جیسے ہم عطاؤں کو۔

اللہ اللہ! مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو مُحِب و مَحبوبِ خُدا ہیں۔ وہ محبوب ہیں اسی لیے تو ان کی جنبشِ لب پر عالَم کا فیصلہ رکھ دیا گیا ہے۔ اور ان کے جلالی تیور میں دُنیا کا انقلاب مضمر ہے۔

وہ، وہ ہیں جن کی رضا، خداوندی رضا ٹھہری ہے۔ اور وہ مُحِب ہیں اس لیے حضور پر جو مصائب آئے اُنھیں برداشت کرنا صرف حضور ہی کا کام تھا۔

بات یہ ہے کہ جس کا جتنا مرتبہ زائد ہے اُس پر اُس کے مرتبہ کے لائق بلا کی شِدّت ہے۔ دُنیا میں سب سے زیادہ عظیم اِبتلا اَنبیاے کرام پر، پھر اَصفِیا و صالحین پر، پھر اَوروں پر ہوتا ہے۔ خود حدیث کا ارشاد ہے اَشَدُّ النَّاسِ بَلاءً اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَ مْثَلُ۔ یُبْتَلٰی الرَّجُلُ عَلٰی حَسبِ دِینِہٖ فاِنْ کَانَ فِی دِینِہٖ صُلْبًا اَشْتَدَّ بَلَا ؤُہٗ۔ واِنْ کَانَ فِی دِینِہٖ رِقَّۃً ابْتَلٰی عَلٰی قَدرِ دِینِہٖ فَمَا یَبْرَحُ الْبَلاءُ بِالْعَبْدِ حَتّٰی یَتْرُکَہٗ یَمْشِی عَلٰی الْاَرضِ ومَا عَلَیْہِ خَطِیئۃ۔

ایک حدیث میں فرمایا: اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً فِی الدُّنیا نَبِیٌّ اَوْ صَفِیٌّ۔

ایک حدیث میں ارشاد ہوا: اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِیاءُ ثُمَّ الصَّالِحُونَ۔ لَقَدْ کَانَ اَحَدُ ھُمْ یُبْتَلٰی بِالفَقْرِ حَتّٰی مَا یَجِدُ اِلَّا العَبَاءَ یَجُرُّ بِہَا فَیُسلُبَہَا وَیُبْتَلٰی بِالْقُمَّلِ حَتّٰی یَقْتُلَہٗ وَلَاَ حَدُ مِنْھُمْ کَانَ اَشَدَّ فَرحاً بِالبَلاءِ مِنْ اَحَدِ کُمْ بِالْعَطَاءِ۔

چوں کہ حضور سَیِّدُ الانبیاء وسَیِّدُ الْمُحِبِّین ہیں اس لیے حضور پر جو شِدّتِ اِبتلا ہے وہ کسی پر نہیں۔

کیا حضور ہی وہ نہیں جنھوں نے کفّارِ مکہ وغیرہا سے اَنواع اَنواع کی تکلیفیں اُٹھائیں، اَذیتیں پائیں، مصیبتیں برداشت فرمائیں، اَقسام اَقسام کے مظالم وستم اُٹھائے؟

کبھی حضور پر پتھروں کا مینھ برسایا گیا، جسمِ نازنین خون سے رنگ گیا، قدمِ پاک نَعلِ اقدس میں خون سے جَم گیا، دندانِ مبارک شہید ہوا۔

کبھی حضور کے شہید کر ڈالنے کا مشورہ ہوتا ہے۔ کبھی حضور پر نماز پڑھتے ہوئے اونٹ کا اوجھ لاکر رکھ دیا جاتا ہے۔ کبھی کچھ؛ کبھی کچھ۔

کیا حضور ہی وہ نہیں ہیں جو مشرکینِ مکہ کے ایجاد کردہ ''نان کوآپریشن'' کی بِنا پر طویل مدت تک شِعبِ اَبی طالب میں سخت مصائب اُٹھایا کیے؟

کیا حضور ہی وہ نہیں ہیں جو گھر بار، وطن (مکہ معظّمہ) چھوڑ کر مدینہ طیبہ کے عاشقوں کو مَسرور فرما رہے ہیں؟

آخر یہ کیا تھا؟ وہی اِبتلا پسندی تھی جس کے لیے قدرت نے ذاتِ اقدس کو اَزل میں نمونۂ حَسنہ کے لیے منتخب فرما لیا تھا۔

کیا صحابۂ کرام کی جاں فروشیاں، صرف حق پرستی کو جُرم قرار دے کر کفّار و مشرکین کی اُن پر تعدّیاں، اور بڑے بڑے جِبالِ مصائب پر اُن حضرات کی مسرتیں اور خوشیاں، اس اِبتلا پسندی کے نکتۂ بدیعہ کی جلوہ آرائیاں نہیں؟

کیا تمھیں معلوم نہیں کہ میدانِ کربلا میں کون سا گھرانا مع مُخَدَّ رات کے مَحصور تھا؟

یہ وہ خاندان تھا جس کی غلامی و نیازمندی نے اَگلوں کو ممتاز کر دیا تھا۔ اس گھرانے کی دَربانی کا نتیجہ تھا کہ فلاں ولی نے فلاں قلعہ کو طُرفۃ العین میں جڑ سے پھونک کر اُڑا دیا۔ فلاں بزرگ نے فلاں لشکر کو آنکھ جھپکتے تہ و بالا کر دیا تھا۔

لاریب کہ امام عالی مقام کی ایک پُر درد آہ، آسمان و زمین کی دَھجیاں اُڑانے اور اَشقیا کی جماعت کو فنا کرنے کے لیے کافی تھی۔ مگر یہ اِبتلا پسندی تھی کہ محمدی گھرانے کا سرسبز و شاداب باغ، خزانِ شقاوت کے ہاتھوں برباد ہوتا نظر آتا ہے اور امام کی نگاہ تک نہیں بدلتی۔ چشمِ نازنین پر مَیل تک نہیں آتا۔ چہرۂ اقدس پر بَل نہیں پڑتا۔ جبینِ اَطہر پر شِکن نہیں آتی۔ کسی بزرگ نے کسی حدیثِ قدسی کا خوب ترجمہ کیا ہے۔ ؎

ما بلا بَر کسے عطا نہ کنیم تا کہ نامش، زِ اَولیا نہ کنیم
ایں بلا گوہرِ خزینۂ ما ست ما بہر کس گہر، عطا نہ کنیم

بلاشُبہہ مقبولیت واِبتلا کا حق، چولی دامن کا ساتھ ہے۔اور برگزیدہ نفوس کا قیام گاہ ہمیشہ میدانِ اِبتلا رہا ہے۔ اِبتلا کی دُشوار گزار اور سنگلاخ زمین کی سرحد مظالمِ اَغیار کے ڈانڈے سے نکل کر مَدِّ عیانِ اسلام کے اَعمال سے شروع ہوتی ہے۔

خلافتِ صدیقی میں وہ دن بھی کیسا دن تھا جب کہ بعض بے ایمان کلمہ گویوں نے اَدائے زکوٰۃ سے اِنکار کر دیا تھا اور شام و فلسطین سے ہٹ کر خود دارُالخلافہ مدینہ طیبہ میدانِ جہاد ہو گیا تھا۔ دُشواری یہ تھی کہ ان مُرتدین کی تعزیر و تہدید پر ابھی مسلمانوں کا اِتفاق نہیں ہوا تھا؛ مگر صِدِّیقیت سے مصفّٰی اور افضلیت سے محلّٰی تلوار، نیام سے باہر ہو گئی اور آخر عَزمِ مُصمَّم اور حق پرستی کی قوت نے اسلامی جھنڈے کے نیچے سارے مسلمانوں کو کھڑا کر دیا۔ اِس اسلامی لشکر نے اپنے کانوں سے سُنا تھا کہ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔

ان میں سے ہر مجاہد کو معلوم تھا کہ لَا نُکَفِّرُ اَحَداً مِن اَھلِ القِبلَۃ۔

ان کو پوری طرح سے اس کی خبر تھی کہ ننانوے وجوہِ کفر پر ایک وجہِ اسلام کو ترجیح حاصل ہے۔

یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ مسلمانوں کی پہچان مَنْ صَلّٰی صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبلَتَنَا وَاَکَلَ ذَبِیحَتَنَا ہے۔

مگر یہ اسلام کے اصلُ الاصول اور قَرنِ اول کے اَفراد، اَساطینِ اسلام تھے۔ کچھ دیو کے بندے نہ تھے کہ کفریات ہضم کرنے والوں کے لیے اِن معلومات کو حیلہ قرار دینا جائز سمجھتے۔

یہ بدآئین لوگوں کا قاعدہ ہے کہ خدمتِ اسلام کے لئے رَفضَہ کا بدَا، یوں ثابت کریں کہ ضروریاتِ دین کو وہ ہر سال بدلتا رہے۔

صحابۂ کرام کا دامنِ تقدس اس بدنُما داغ سے پاک تھا۔ وہ اسلام کے اس قانون کو اَنمٹ سمجھتے تھے کہ کسی ایک امرِ ضروری دینی کا اِنکار کفر اور خالص کفر ہے۔ اس اِنکار کے ہوتے کلمۂ طیبہ یا استقبالِ قبلہ یا اَکلِ ذبیحہ کچھ کام نہ آئے گا۔

یہ فیصلہ قطعی ہے اور کوئی حالت و زمانہ اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ چنان چہ مجاہدین کے ایک ہی حملہ نے مُرتدین کو ملیا میٹ کر دیا۔

سیدنا امام حسین کی دشواری کا اِفتتاح اُنھیں ہاتھوں سے ہُوا تھا جن کو صرف کلمہ گوئی پر ناز تھا۔ جزیرۃُ العرب کا تقریباً کل حصہ کسی نہ کسی طرح یزید پلید کی خلافت پر بیعت کر چکا تھا۔ اور یقیناً

سخت گستاخی ہے اگر کہا جائے کہ امام اس حدیث سے بے خبر تھے کہ اِذَا بُوْیِعَ بِالْخَلِیفَتَین فَاقْتُلُوا اٰخِرَھُمَا۔

آپ نے یزید کے خلاف اپنی بیعت جائز قرار دی۔ مگر آہ صد آہ۔ وہ کیسا قیامت خیز منظر تھا جب کہ شہادت سے چند منٹ پہلے خونِ امامِ مظلوم کی اِباحت پر شامیوں نے کوئی چار پانچ سو عُلما کا متفقہ فتویٰ پیش کیا تھا جس کا سَرنامہ اُس حدیث سے شروع ہوا تھا کہ میری اولاد میں ایک شخص ایسا اور ایسا ہوگا۔ اور اس طرح خاندانِ نبوت کی طہارت پر نجس حملہ کیا گیا تھا۔ غرض ؎

مَن اَز بیگانگاں ہرگز نَنَالَم کہ بامَن آنچہ کرد آں آشنا کرد

جہاں اچھوں نے ہمیشہ کفر و کفار کو مکھی اور مچھر برابر نہ سمجھا، وہاں اُن کی روشن علامت یہ بھی ہے کہ جو اپنے کہلائے جاتے ہیں وہی مارِ آستین یا غفلت شِعار نکلتے ہیں۔ جس پر تاریخِ اسلام کی ایک ایک سطر کی شہادت موجود ہے۔

اور اگر تم زندہ شہادت کے طالب ہو تو آؤ ہندوستان کی وسیع آبادی کا چکّر لگاؤ اور اُس اسلامی عَسکر کی تلاش کرو جس کی کفر و کفار پر شِدّت اور مُرتدین و مُشرکین سے غِلظَت و نفرت ضربُ المثل بن گئی ہو۔

نادان ہے وہ جو اِس قدر عرض کرنے پر بھی ''جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی'' کے سِوا دوسری جمعیت کا توہُّم بھی کرے۔ جس کا مشہور اور زبان زَدسنگِ بنیاد کفر و مُرتدین سے جہادِ شدید ہے۔

جمعیتوں کو بنتے بگڑتے تو ہم روز دیکھا کرتے ہیں اور کمیٹیوں کے نِت نئے نرالے ڈھانچے بنانا ہندوستان کا روز مَرَّہ ہو گیا ہے۔ مگر چوبیس (۲۴) گھنٹے کی مسافتِ حیات طے کرنے پر اُن میں پراگندگی کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں اور پھر اس کے بعد طلوعِ آفتاب اُن کی موت پر ہوتا ہے۔ مگر یہ ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' جس بازو کے زور پر زندہ ہے، شیخُ الاسلام والمسلمین، امامِ اہلِ سُنَّت، مُجدِّدِ مأۃ حاضرہ رحمۃُ اللہِ تعالیٰ علیہ کی روحانیتِ مقدَّسہ کی طاقت ہے۔ حضور ہی نے دستِ حق پرست سے اس کا بنیادی پتھر نَصب فرمایا تھا اور حضور ہی کے روبَرو مجاہدوں نے کفر و اِرتداد کی مخالفت کرنے کا عَزم کیا تھا۔

جس وقت ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' کی اِبتدائی تنظیم ہو رہی تھی، نہ مَلکانہ علاقۂ اِرتداد تھا، نہ ہندوستان کے کسی خِطہ میں اس فتنۂ مشرکین کا بظاہر اِمکان تھا۔ مگر اعلیٰ حضرت (مولانا احمد رضا

بریلوی) کی نورانی فراست آنے والے دِنوں کا مشاہدہ کررہی تھی؛ اور حضور کو شاید معلوم تھا کہ عن قریب سارا ہندوستان عرصۂ جہاد ہوگا اور اُس کے لیے اسلامی لشکر کی ترتیب لابُدّی ہے۔ چنان چہ حملۂ مشرکین سے پہلے، جماعت کا جہاد اُن مُرتدین ہی سے ہوتا رہا جن کے فتنہ کا شکار ہندوستان ایک مدت سے ہو رہا تھا؛ اور جنھوں نے کفر بکنے کے لیے اُن مسائل کو حیلہ بنا رکھا تھا جن کی گردن کشی زمانۂ نبوت کے بعد ہی صِدّیقی تلوار نے کردی تھی۔

اُسی زمانہ میں جماعتِ مبارکہ کی کفر و کفّار پر شِدّت کا چرچا ہونے لگا تھا اور اَغْدَا کی زبانوں نے بھی جماعت کی غِلْظَتِ اسلامیہ کا اعتراف کرلیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ وقت اور ہاں مسلمانانِ ہند کے لیے امتحان کا وہ نازک وقت آ گیا جب کہ شرک کی لنگوٹی پیپل کے درخت سے اُتری یا گائے کے پیٹ سے نکل پڑی اور سماجی اَساڑھ کے اثر سے کیڑے مکوڑے حَشَراتُ الارض کی طرح پھیلے۔ ہر طرف سے مشرکین نے عزیز مسلمانوں پر دھاوا کردیا اور اُن کے ایمان وعقیدہ پر بہ یک وقت ایسا ڈاکہ مارا کہ صرف مَلکانہ کے لاکھوں مسلمان ہمیشہ کے لیے دولتِ نجات سے بے مایہ کیے جانے لگے۔

یہ خبر ہندوستان میں بجلی کی طرح پھیل گئی اور کوئی چھوٹا بڑا ایسا نہ رہا جو اِس واقعہ سے بے خبر رہا ہو۔ اور اِس خبر نے ہندوستانی کلمہ گویوں کی تقسیمیں کردیں۔

کوئی تو سُن کر ایسا چُپ رہا کہ گویا سُنا ہی نہیں۔ یہ شرابِ غفلت کے مَتوالوں کا درجہ ہے۔

کسی نے سُن کر کہا کہ: یہ ''ہندو مسلم اتحاد'' پر حکومت کا خُفیہ حملہ ہے۔

یہ مشرکین کے تنخواہ دَاروں کا درجہ ہے۔

کسی نے کہا کہ: یہ مسلمانوں کی محض شرارت ہے اور اگر مشرکین کی طرف سے ایسا ہوتا تو ہم اُن کو مَزہ چکھا دیتے۔

یہ اُن رزولیوشن پاس کرنے والے بہادروں کا درجہ ہے جو گھر بیٹھے بیٹھے سمندر پار کی جنگ میں خیالی سپاہی بنے ہوئے ہیں اور عالمِ خواب میں تاج وتخت کو روزانہ اُلٹ پلٹ کرتے ہیں۔ لیکن اگر خدا نخواستہ سُن لیا کہ گھر کے باہر اسلام پر حملہ ہو رہا ہے تو اپنے گھر کی خیریت مَنانے کے سِوا کچھ زبان سے نہیں نکلتا۔ بلکہ اگر کوئی زخم اُن کے بھی اتفاقی لگ گیا تو: خدا کرے جھوٹ ہو۔ کہتے جاتے اور خون پونچھتے جاتے ہیں۔

بڑا پکّا مسلمان وہ ہے جو اِس خبر کو سُن کر بے چین ہوگیا اور کہنے لگا کہ: ہائے خلافتِ صِدّیقی کا زمانہ

ختم ہو چکا ورنہ فتنۂ اِرتداد کا بُت توڑ کر رکھ دیا جاتا۔

افسوس کہ ان مسلمان نام رکھنے والوں کی کفر پسندی اور شرک دوستی کا بُرا نتیجہ ظاہر ہوا۔ ہیہات کہ کام کرنے والوں کا اسلامی ہند میں فُقدان ہے۔

یہ بدقسمت ہندوستان میں کھرے مسلمانوں کا درجہ ہے۔

بہرحال! یہ سارے درجات زبانی جمع خرچ تک کے ہیں اور میدانِ عمل کا درجہ جو اسلام کا حقیقی مقتضٰی ہے، ہندوستان بھر میں مفقود سا ہے۔ چنان چہ اِس خبر نے اسلامی ہند میں مایوسی کی چادر سی ڈال دی تھی کہ دوسری اِطلاع رحمتِ الٰہی کا مُژدہ یہ سناتی ہے کہ مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جمعیت اور عَسکرِ اسلامی کی مقدمۃُ الجیش اور اسلامی علم وعمل کی اُسوۂ حَسنہ یعنی ''جماعت رضائے مصطفٰی بریلی'' نے اس خبر سے متأثر ہوکر زبانی تعلّیوں اور دِکھاوے کی پُرجوش لَسّانیوں سے علیٰحدہ رَہ کر میدانِ جہاد میں قدم رکھ دیا۔ اور طے کرلیا کہ ہندوستان کا یہ فتنۂ اِرتداد کچل کر اسلامی جھنڈے کو بلند سے بلند تر کردیا جائے۔

جس وقت یہ جماعت گھروں کو چھوڑ کر نکلی تھی اور میدانِ جہاد کی طرف کوچ کررہی تھی اُس وقت مُدّعیانِ اسلام نے اُس کی خدمتِ عظیمہ کی داد میں لَعن وطَعن کے تیر برسائے تھے اور اگر جماعت کا عَزمِ مُصمّم اُس کے لیے سِپر نہ ہوتا تو شرک پسند بہادروں نے اُس کی مُزاحمت میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی۔

اب تم مَلکانہ کا میدانِ جنگ دیکھو۔ ایک طرف مُشرکینِ ہند کی صف ہے جس میں سامانِ رسد، کثرتِ افواج، تجربہ کار جنرل، ملک پر ملک، پختہ خندقیں اور پُرانی سُرنگیں، غرض ہر قسم کی جنگی قوت ہے۔

دوسری طرف تنہا اور، ہاں بالکل تنہا ''جماعت رضائے مصطفٰی، بریلی'' کی صف ہے۔ جس میں مالی ناداری، قِلّتِ افراد، ایسی جنگ کا پہلا سابقہ، بے سروسامانی، مُدّعیانِ اسلام کی طرف سے مُعانِدانہ رُکاوٹ، اور ہر طرح کی ظاہری کم زوری ہے۔ مگر آفرین ہے ''جماعت رضائے مصطفٰی'' کی پامَردی واِستقلال پر، کہ خدائے قدوس پر اِعتماد کرکے اسلام کے لیے سینہ سِپر ہوگئی اور حَقّانیت وصداقت کی خُداداد قوت سے مشرکین کے بڑھتے ہوئے حملہ کو روک دیا اور شرک کے بُت کو توڑ پھوڑ کر مشرکین کے فتنہ کو ملیامیٹ کردیا۔

یعنی اس جنگِ عظیم اور مہابھارت کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ مَلکانہ میں صرف ''جماعت رضائے

مصطفیٰ'' کا اِقتدار ہے اور فوجِ اَعْدَا پسپا ہو کر مفرورین کی طویل فہرست چھوڑ گئی ہے۔ اور بڑے بڑے مَٹھ اس جماعت کا لوہا مان چکے ہیں۔

میں کہہ چکا ہوں کہ جماعت کے لیے ایسی جنگ کا پہلا سابقہ تھا۔ یہ بالکل ایک نا قابلِ انکار حقیقت ہے۔ میدانِ جہاد کے سفر سے پہلے سپاہیوں کی خوراک کا مسئلہ ہے مگر جماعت کے عملی جوش نے اس پر بالکل نظر نہ کی اور فاقہ کشی پر تیار ہو کر لختِ دل وخونِ جگر کے کھانے پینے کو کافی سمجھا۔ اور واقعی ۱۳۴۱ھ کے آخر تک اس نے فاقہ کشی کر دِکھایا۔ اسی صبر وفاقہ کی روحانی قوت تھی جس نے دُشمن کو پسپا کر دیا۔

مجھے ان ایامِ جنگ میں جماعت کے جنگی دفتر میں حاضری کا شرف حاصل ہو چکا ہے؛ نیز جماعت کے حسابات مطبوعہ میرے پاس موجود ہیں؛ اور میں نے اُس کی ناقِدانہ سیر کی ہے۔ جس کے نتیجہ میں نکتہ چیں اور خوں خوار آنکھیں خونیں آنسوؤں کے ساتھ واپس آئیں۔

ہم ممبران جماعت سے واقفیت رکھتے ہیں اور اُن کے عیش وآرام کا بارہا مشاہدہ کیا ہے۔ اب ہم اُن کو مَلکانہ میں وسیع دستر خوان کی جگہ کسی درخت کے نیچے فرشِ زمین پر بیٹھا کئی وَقتوں کے بعد چَنے چَباتے بھی دیکھتے ہیں تو ہماری آنکھوں سے آنسو کی جگہ خون ٹپک پڑتا ہے۔ لیکن فاقہ کشی کرنا اور پیاس کے شدائد کو برداشت کرنا ایک مدت کے لیے ہے کہ جس کے بعد بَشریت عاجز ہو جاتی ہے۔

مسلمانو! صرف دو دن بھوکے پیاسے رہو اور پھر سوچو کہ اسلامی فوج تقریباً دو (۲) برس تک بھوکی پیاسی لڑی اور بتاؤ کہ تم لشکرِ اسلام کا اس سے زیادہ کیا امتحان لینا چاہتے ہو؟

میں اُس چند گنتی کے روپیوں کو ہرگز فوجی سامانِ رسد نہ کہوں گا جس کو بینُ الاقوامی قانون کی بِنا پر صَرف کیا جاتا تو معمولی سرحدی چھیڑ چھاڑ میں صبح کا ناشتہ بلکہ صرف چائے تیار نہ ہو سکتی۔ اور جس کی آمد کا دروازہ چند مہینے کے بعد ایک حد تک بالکل مَسدُود ہو گیا۔ مسلمانوں نے دانا پانی اُس پر گویا بند کر دیا۔

خانگی بہادروں نے اُس کے عروج سے عملِ حَسد شروع کر دیا۔ چندہ ہَضم کر کے ڈِکار نہ لینے والوں نے اپنا جال بھی پھیلا دیا اور شہرت پسندوں نے ایک ایک شخص کی علیٰحدہ علیٰحدہ جمعیت قائم کر کے اپنے خیالی کارناموں سے اَخبار کو بھر دیا۔

اور اس طرح جماعت رضائے مصطفیٰ، بریلی جس نے مُشرکینِ ہند کے دانت کھٹے کر دیے تھے، ایک عظیم اِبتلا میں مبتلا ہو گئی۔ میں نے عرصہ ہوا کہ ایک منطقی اِستدلال ان حملہ آوروں کا سُنا تھا۔ یہ نئے

نام کے رَنگروٹ جماعت رضائے مصطفیٰ کی فاتح اور کارکُن فوج کو دَبانے کے لیے ''اسلامی اتحاد'' کا مغالطہ پھیلاتے رہے اور اُن کو معمولی انسانیت اس فیصلہ پر نہ لا سکی کہ تفریق وتشتُّت کی بنیاد اُس نے ڈالی؛ جس نے سب سے پہلے اسلامی فوج جماعت رضائے مصطفیٰ کے جھنڈے کے نیچے کھڑا ہونا پسند نہ کیا۔

مَلکانہ کے علاقہ میں پہلا قدم ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' کا پہنچا اور اتحادِ اسلامی کی دعوت اسی کے نشانِ قدم کی پیروی کے لیے تھی۔ چنان چہ اشرفی جھنڈا اَور حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب مُدَّظِلُّہٗ کی اَفواج نے اس شاہراہِ عمل کی تقلید میں جماعتِ مبارکہ کی تکثیرِ سَوَاد میں حصہ لیا۔ یہ ہے ''اتحادِ اسلامی''، نہ یہ کہ کسی رئیس یا مولوی کی عزت اَفزائی میں مُشرکین کے مقابلہ کا نام کر کے عَساکرِ اسلامیہ کی پامالی کا فرض ادا کیا جائے اور مشرکین کی نمک خواری کا ثبوت دے کر اس کو ''اتحادِ اسلامی'' قرار دیا جائے۔

بہر حال! جماعت کی مشکلات کا مقدمہ مشرکین کی مَساعی اور اُن کی کثرت اور دولت نہ تھی بلکہ مُدَّعِیانِ اسلام کے کرتوت نے اس کا اِفتتاح کیا تھا؛ جس کا نتیجہ جو ہونا چاہیے وہ ہوا۔ یعنی جو فوجِ مشرکین منھ پھیر چکی تھی وہ پلٹ پڑی اور ۱۳۴۲ھ میں مشرکوں کا حملہ پہلے سے زیادہ زور وشور سے ہوا اور میدانِ جہاد کا نقشہ یہ ہو گیا کہ مثلاً مشرقی جانب سے مشرکین کا ٹڈی دَل آ رہا ہے اور مغربی محاذ پر جماعت رضائے مصطفیٰ مع اپنے شرکائے کار مجاہدین کے صف باندھے ہے اور شمال وجنوب کی طرف بھی کچھ شور وغل ہے۔

ان کی نگاہیں مشرکین کی طرف ہیں اور اُن کا نعرہ ''دُشمن کو مارو'' اور اسلامی اِتحاد'' ہے؛ مگر ان کے قہر وغضب کا تیر اِسلامی لشکر ہی پر گرتا ہے۔ یہ لوگ ''دُشمن'' اسلامی فوج کو کہتے ہیں اور ''اسلامی اتحاد'' سے ان کا مطلب۔ شرک دوستی۔ ہے۔

عَساکرِ اسلامیہ ان کی زَد پر ہیں اور انھوں نے مشرک فوج کے پہنچنے سے پہلے اسلامی فوج کی تباہی کا ارادہ کیا ہے تاکہ ان کے استاد اور دوستوں کو تکلیف نہ اُٹھانی پڑے۔

اس نقشۂ جنگ پر نظر کیجیے تو جماعت رضائے مصطفیٰ اگر میدانِ جنگ چھوڑ دے تو ہرگز اُس پر اِلزام نہیں آ سکتا۔ ایک سال سے زیادہ ان دشواریوں کا مقابلہ کرنا اس کو رضائے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاصل کرنے کو کافی ہے۔ مگر طالِبینِ رضائے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بلند حوصلوں کو دیکھو کہ شدید محاصرۂ اَعْدَا اور غیر معمولی بھوک پیاس کے باوجود سَر بکف میدان میں کھڑے ہیں؛ اور کرب وبلا کی ایک ایک ساعت کو بے مانگے کی دولت سمجھ رہے ہیں۔ اور یہی عظیم الشان کامیابی ہے۔

لیکن اگر اسی نقشۂ جنگ پر قیامت قائم ہوجائے اور مالک ومولیٰ ہر ایک کی جَزا وسَزا کا اِستحقاق اَلَمْ نَشْرَحْ فرمائے تو بتاؤ وہ کون ہے جس کی گویائی گونگی ہوجائے گی اور لمبی لمبی زبان کتر لی جائے گی؟

تم اس کے جواب میں صرف مُشرکینِ ہند کا نام نہ لو کہ اُن کے اِستحقاقِ عذاب کو اُن کا شِرک کافی سے زیادہ حجت پہلے سے موجود ہے۔ تم اُن پُرفریب نام کے اتحادیوں کو نہ کہو کہ جنھوں نے اپنے علم وعمل کی نیرنگیوں سے آج سے برسوں پہلے جنت اپنے اوپر حرام کر لی ہے۔

ہاں! جَلالِ الٰہی سے ہم مسلمانوں، سنی بھائیوں، عقائدِ حَقّہ والوں، سَلفِ صالحین کے مُقلِّدوں، اولیاے کرام کے نیازمندوں کو ڈرنا چاہیے کہ جنت جن کی مہمانی کے لیے بنی ہے اور وہ ایک گلاس پانی اور ایک مُٹھی اناج کو اس نعمتِ الٰہیہ پر بڑھا رہے ہیں۔

بھائیو! آؤ! ایک ماتم خانہ، برپا کریں۔ اُس میں جماعتِ مبارکہ کی رُوداد پڑھیں۔ اور کرورہا مسلمانانِ ہند سے جن کا نام اُس میں نہ پائیں اُس کا مَرثیہ پڑھیں۔ پھر اُن کا غم منائیں جن کا نام پہلے تھا مگر اب اس لیے خارج ہوا کہ وہ ذلیل سے ذلیل مدد سے عملاً ہٹ گئے۔ اور پھر مسلمانانِ ہند کی قوتِ اسلام کا مرثیہ پڑھیں، اپنی بدبختی پر روئیں اور اتنا روئیں کہ آنسو رُکنے سے پہلے روح کو رُخصت کر دیں۔

اور یا آؤ! اسلام پر مَر مٹیں۔ جان دے دیں۔ نثار ہوجائیں۔ خود مٹ جائیں مگر اسلام کو مٹنے سے بچائیں۔ خود بھوکے پیاسے رہیں مگر اسلامی لشکر ''جماعت رضاے مصطفیٰ، بریلی'' کو تازہ دَم رکھیں۔ اور پیٹ پتھر کے بندوں کے تنوں کو کاٹ کر رکھ دیں۔ اس کے سِوا کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے۔ اگر تم اسلام اور غَیرت رکھتے ہو اور مشرکین ونمک خوارانِ مشرکین تمہاری غَیرت کا جو امتحان لے رہے ہیں اُس میں کامیاب ہونا چاہتے ہو تو لِلّٰہ اُٹھو اور بڑھ کر جماعت رضاے مصطفیٰ، بریلی کی مدد کرو۔ کیا اس کم زور آواز کو، کوئی کان والا سُنتا ہے؟

[ص ۲۲ رتا ص ۳۴، روداد ۱۳۴۲ھ/ ۲۴۔ ۱۹۲۳ء؛ جماعت رضاے مصطفیٰ، بریلی]

[ماخوذ: علماے اہلِ سنّت کی بصیرت وقیادت، مولانا یٰسٓ اختر مصباحی، مطبوعہ مجلس رضا لدھیانہ ۲۰۱۲ء]

***

امام احمد رضا اور سائنسی مصطلحات

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری
ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی

ارشاد ربانی ہے:

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (سورۃ النحل: آیت ۴۳)

ترجمہ: ''تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمھیں علم نہیں۔'' (کنزالایمان)

آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے پوچھنے والے پر کوئی پابندی نہیں لگائی، کہ میرے علم والوں سے کیا سوال کرنا، اور کیا نہ پوچھنا، بلکہ کھلی اجازت دے دی کہ میری جانب سے علم دیے جانے والوں سے کسی بھی زمانے میں، کسی بھی علم وفن یا کسی بھی علم کی شاخ در شاخ سے متعلق جو بھی سوال کرنا چاہو سوال کرو، ہمارے اہلِ علم تم کو تشفی بخش جواب دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (سورۃ الحجر: آیت ۹)

ترجمہ: ''بے شک ہم نے اُتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔''

(کنزالایمان)

اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کے لیے ہر زمانے میں ایسے ذہن پیدا فرمائے؛ جنھوں نے اپنی ذہانت میں اس کو **الحمد** سے **والناس** تک یاد رکھا؛ یہ انسان کی اپنی کوئی طاقت نہیں، کیوں کہ اس نے ذمہ لے لیا اس لیے اس مخلوقِ انسانی سے چند کو ہر زمانے میں انتخاب فرما کر اس کے ذہن میں محفوظ فرما دیتا ہے، اور یہ حفظِ قرآن کا سلسلہ قیامت تک ایسے ہی جاری رہے گا؛ اور اس کے اس چیلنج کو حفاظِ قرآن پورا کرتے رہیں گے، اگرچہ وہ انسان اور حفاظ کا محتاج نہیں مگر انسانوں کے درمیان اس کو انسانوں کے ذریعے ہی محفوظ رکھا ہے۔ اس کے حفاظ درحقیقت حروف کے جاننے والے ہیں؛ وہ حروف سے حروف کو ملا کر پورا قرآن سنا دیتے ہیں، لیکن حفاظ کی اکثریت حروف کی معنویت اور حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتی۔

خداوند کریم نے اس کا بھی انتظام فرما دیا کہ جب کبھی دُنیا میں کوئی انسان کوئی سا بھی سوال کرے اور اس سوال کا تعلق زمانے کے کسی بھی علم وفن سے ہو حروف کی حقانیت جاننے والا اس کا جواب دے دے گا۔ حروف کی حقانیت، معنویت، مقصدیت جاننے والے کو قرآن نے "**اھل الذکر**" بتایا ہے۔

اھل الذکر کی بہت ساری اقسام ہیں:

۱۔پہلی قسم: جو مخصوص علم جانتے ہیں اس کے علاوہ دیگر علوم نہیں جانتے۔

۲۔دوسری قسم: مخصوص علم جاننے والے بھی دو اقسام کے ہیں۔

(الف) وہ جو صرف ظاہر مخصوص علم یا اس کی شاخ کو جانتے ہیں؛ مگر اس علم کی حقیقت سے واقفیت نہیں رکھتے۔

(ب) ظاہراً بھی جانتے ہیں اور حقیقت سے بھی آشنائی رکھتے ہیں؛ مگر حقیقت کی اصل سے واقفیت نہیں رکھتے۔

۳۔تیسری قسم: چند مخصوص علم میں مہارت یا دسترس رکھتے ہیں باقی میں کم۔

۴۔چوتھے: صرف دُنیاوی یا دینی علوم پر دسترس رکھتے ہیں۔

۵۔پانچویں: دُنیاوی اور دینی اکثر علوم میں دسترس رکھتے ہیں۔

۶۔چھٹے: تمام دُنیاوی اور دینی علم کا ادراک رکھتے ہیں۔

ان اقسام کی مزید تقسیم ممکن ہے، مگر احقر نے صرف سمجھانے کی خاطر یہ خاکہ بتایا ہے، اس میں ہر شخص فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ میں اپنی صلاحیت کے مطابق شمار کیا جاسکتا ہے، کہ تم اس علم کے اہلِ علم سے معلوم کرلو وہ تم کو جواب دے دیں گے؛ مگر ایسے اشخاص کم کم ملیں گے؛ جو اس آیت کی مکمل تفسیر بن جائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیا کو تو ہر زمانے میں ان کے اُمتیوں کے مقابلے میں مکمل علم عطا فرمایا، یہاں تک کہ نبی الانبیاء علیہ السلام کو کل کائنات کا علم عطا فرمادیا تاکہ جو بھی آپ سے سوال کیا جائے آپ اس کو جواب دے سکیں، اس کے لیے قرآن نے سند عطا فرمادی:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔

(سورۃ النسآء: آیت ۱۱۳)

ترجمہ: ''اور تمھیں سکھادیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔'' (کنزالایمان)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا سلسلہ کیوں کر جاری ہے اور آپ نے ظاہری پردہ فرما کر دوسری دُنیا کو اپنے وجودِ مسعود سے رونق بخشی ہوئی ہے؛ اس لیے دُنیا میں قیامت تک آپ کی ظاہری کمی کو علمائے ربانیین پورا کرتے رہیں گے؛ جو درحقیقت آپ کے ہی فیض وکرم سے آپ کے نائبین ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبین کو بھی اس زمانے کے تمام علوم وفنون میں یکتائے روزگار بناتا ہے تاکہ اگر ان سے کوئی سوال کرے تو وہ ہر اس سوال کا جواب دے

دیں؛ ورنہ دین پر، اسلام پر، قرآن پر، صاحبِ قرآن پر اور صاحبِ قرآن کے بھیجنے والے پر حرف آئے گا کہ وہ نہیں جانتا، (معاذ اللہ).....اس لیے دُنیا میں خداوند تعالیٰ عبقری شخصیات کو بھیجتا رہتا ہے؛ ایسی ہی ایک عبقری شخصیت، نائب رسول اور فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ کی جامع تفسیر امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کی ہے۔ ان کی ۵۵ رسالہ علمی زندگی میں جس کسی نے، جس شعبے سے، جس نوعیت کا بھی سوال کیا، آپ نے اس علم کی اصطلاحات اور اس علم کی روشنی میں اس کا بھرپور، تسلی بخش اور صحیح جواب عطا فرمایا۔ یہاں سوال جواب کے بجائے ان کی علمی بصیرت، قرآن کریم کی فہم اور سائنسی اصطلاحات وعلوم سے متعلق دو چار مثالیں پیش کروں گا۔

امام احمد رضا کے علوم وفنون کا مرکز قرآن حکیم ہے۔ امام احمد رضا ترجمۂ قرآن (کنزالایمان) میں اس بات کا خاص اہتمام کرتے ہیں کہ جس آیت سے جس علم پر روشنی پڑتی ہے؛ اس آیت کا ترجمہ اسی علم کی اصطلاح میں کرتے ہیں۔ امام احمد رضا واحد مترجم قرآن ہیں جن کو علومِ نقلیہ کے ساتھ ساتھ علومِ عقلیہ یعنی موجودہ سائنسی علوم پر بھی دسترس حاصل ہے۔ ایک سو سے زیادہ رسائل اور کتابیں اردو، فارسی اور عربی زبان میں مخطوطات کی صورت میں محفوظ ہیں۔ افسوس کے صرف چند زیورِ طباعت سے آراستہ ہوسکیں۔ یہاں سائنس، حکمت وفلسفے کے حوالے سے چند مثالیں پیش کرکے امام موصوف کی ان علوم پر دسترس کی طرف توجہ دلا رہا ہوں؛ مثال ملاحظہ کیجیے:

وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا۔ (سورۃ النبا: آیت نمبر ۲۰)

ترجمہ: ''اور پہاڑ چلائے جائیں گے کہ ہوجائیں گے جیسے چمکتا ریتا دور سے پانی کا دھوکا دیتا۔'' (کنزالایمان)

امام احمد رضا کے اس ترجمۂ قرآن کو پڑھ کر علومِ عقلیہ کا ماہر؛ خاص کر علومِ ارضیات وطبیعات کا ماہر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ "سَرَابًا" کا یہ ترجمہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ مترجم اس عمل سے خود واقف نہ ہو کہ تیز گرمی میں ریگستانوں میں یا کسی بھی سطح ہموار پر پانی ہونے کا شبہہ کیوں کر ہوتا ہے اور جوں جوں وہ قریب جاتا ہے، پانی دور ہوتا جاتا ہے اور وہ اس حقیقت سے آگاہ ہوجاتا ہے کہ یہ میرا دھوکا ہے۔ امام احمد رضا کا یہ ترجمہ مفسرین کی آرا اور لغت سے مکمل مطابقت رکھتا ہے، چنان چہ ملاحظہ کیجیے کہ مفسرین اور ماہرینِ لغت کی ''سَرَابًا'' کے متعلق آرا:

تفسیر خازن:

(فکانت سرابا): ای ھبأ منبثا کالسراب فی عین الناظر۔

ریت کے ذرّات جو دور سے دیکھنے میں (پانی کی طرح) چمکتے ہیں انھیں سراب کہا جاتا ہے۔

تفسیر مدارک:

(فکانت سرابا): ای هباً تخیل الشمس انه ماء۔

ریت کے ذرّات جو سورج کی روشنی میں پانی کی طرح چمکتے معلوم ہوں۔

مفردات القرآن:

سراب اس کو کہا جاتا ہے جب شدتِ گرمی میں دوپہر کے وقت بیاباں میں جو پانی کی طرح ریت چمکتی ہوئی نظر آتی ہے اس کو سراب کہتے ہیں۔

ان دلائل سے جو بات سامنے آئی وہ یہ کہ سَرَابًا ایک قسم کا دھوکا ہے کہ جب ریگستان میں یا کسی ہموار سطح پر سورج کی شعائیں پڑتی ہیں تو دور سے پانی کی موجودگی کا دھوکا ہوتا ہے۔ امام احمد رضا نے اس حقیقت کی ترجمانی فرما کر بتا دیا کہ آپ کو اللہ نے قرآن فہمی کا کتنا وسیع ادراک دیا ہے جب کہ اردو زبان کے تمام مترجمین نے سَرَابًا کا ترجمہ فقط ریت کیا ہے۔

امام احمد رضا نے سَرَابًا کا مفہوم وہ بیان کیا ہے جو روزِ قیامت نظر آئے گا۔ قیامت کے دن چوں کہ زلزلوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگا جس کی وجہ سے پہاڑ سرکنا شروع ہوں گے، ٹوٹ ٹوٹ کر گریں گے، زمین پر تھرتھراہٹ کے باعث بڑے بڑے گڑھے پڑ جائیں گے، زمین اسی دوران اپنا لاوا (Lava) اگلے گی اور جب تمام لاوا ٹھنڈا ہو جائے گا اور زمین کی سطح پھر کسی حد تک ہموار ہو جائے گی، لوگ دوبارہ زندہ کر کے اس زمین پر لائے جائیں گے اور سخت پیاس میں مبتلا ہوں گے تو یہ زمین دور سے چمکتی ریت کی طرح پانی کا دھوکا دے گی۔ لوگ پانی کی طرف دوڑیں گے مگر پانی ان کو نہ مل سکے گا، کیوں کہ اس وقت زمین تانبے کی ہوگی اور اس تانبے کی زمین پر سورج کی شعائیں پڑنے کے باعث اس کی سطح پر پانی کا گمان ہوگا۔ اس سارے منظر کے پیشِ نظر امام احمد رضا نے سَرَابًا کا ترجمہ نہایت ہی سائینٹفک طریقے پر کیا ہے۔

امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن میں آپ کی صلاحیتوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ امام موصوف دینی معلومات کے ساتھ ساتھ عقلی اور سائنسی علوم کے بھی موجد اور امام ہیں۔ راقم کے ترجمۂ قرآن کے مطالعے کے دوران کئی آیات سامنے آئیں؛ جن کا علومِ ارضیات سے گہرا تعلق تھا۔ علمِ ارضیات کی اصطلاح میں صرف امام احمد رضا ہی ترجمہ کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں؛ جب کہ اردو زبان کے بقیہ مترجمین علمِ ارضیات کی اصطلاحات میں ان آیات کا ترجمہ نہ کر سکے۔ سورۃ النّٰزعٰت کی مندرجہ

ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے؛ جس میں اللہ تعالیٰ نے زمین کی بناوٹ سے متعلق ارشاد فرمایا اور امام احمد رضا نے اس علم کی اصطلاح میں ترجمہ کر کے قاری کو سمجھنے میں آسانی فرمائی ہے، آیت اور ترجمہ ملاحظہ کریں:

وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا۔ (سورۃ النّٰزعٰت: آیت نمبر ۳۰)

ترجمہ: ''اور اس کے بعد زمین پھیلائی۔'' (کنزالایمان)

اردو زبان کے دیگر تراجم قرآن کا جب مطالعہ کیا تو اکثر مترجمین نے ''دَحٰهَا'' کے معنی پھیلنے کے بجائے ''جماؤ'' کیے ہیں؛ جب کہ پھیلنا اور جمانا دو مختلف مفہوم ہیں۔ جمانے سے جو مفہوم ذہن میں آتا ہے وہ یہ کہ کوئی چیز تہہ بہ تہہ جمائی جائے، جس طرح آبی چٹانیں (Sedementary Rocks) بنتی ہیں اور یہ عمل دراصل تہ در تہ چٹانوں کے بننے یا جمائے جانے کا تصور پیش کرتا ہے۔ اس کے مقابلے میں لفظ پھیلنے سے جو مفہوم ایک علمِ ارضیات کے طالب علم کے ذہن میں آتا ہے وہ یہ کہ کسی چیز کے پھیلنے سے اس کا حجم (یہاں رقبہ مراد ہے) بڑھے۔ علمِ ارضیات کے ماہرین کا کہنا ہے کہ زمین جب سے وجود میں آئی ہے برابر پھیل رہی ہے۔

(Sawkins,F.S. 1987"The Revolving Earth" page 153)

یہ عمل اس طرح جاری ہے کہ دُنیا کے تمام بڑے بڑے سمندروں (Oceans) یعنی بحیرۂ ہند، بحیرۂ اوقیانوس وغیرہ میں بیچ و بیچ ۵ر تا ۶ر میل گہرے پانی کے نیچے سمندری خندقیں جن کو Oceanic Trenches بھی کہا جاتا ہے موجود ہیں۔ یہ خندقیں ہزاروں میل لمبی ہیں۔ ان خندقوں سے ہر وقت گرم گرم پگھلا ہوا لاوا (Lava) نکل رہا۔ جب نیا لاوا اوپر آ کر جم جاتا ہے تو وہ پہلے سے جمع شدہ لاوے کی تہہ کو دونوں جانب سرکاتا ہے۔ خندق کے کنارے پر جو یہ عمل ہوتا ہے تو اس سرکنے سے پورا خشک براعظم بھی سرکتا ہے اور سمندر پیچھے کی جانب جاتا ہے یعنی زمین کی سطح بلند ہو جاتی ہے۔ یہ عمل اگرچہ بہت خاموشی کے ساتھ اور بہت آہستہ ہوتا ہے مگر برابر جاری رہتا ہے۔

(Sawkins,F.S. 1987"The Revolving Earth" page 153)

براعظم اسی عمل کی وجہ سے برابر پھیل رہے ہیں۔ اس پھیلاؤ کی رفتار مختلف براعظموں کی مختلف ہے۔ کوئی براعظم ہر سال ۳ر سینٹی میٹر سمندر سے اونچا ہو جاتا ہے؛ کوئی ۴ر سینٹی میٹر۔ براعظم ایشیا کا برصغیر پاک و ہند کا حصہ (Mount Everest) ہر سال ۳/اعشاریہ ۵ر سینٹی میٹر اوپر اُٹھ جاتا ہے،

اس کو آسانی سے سمجھنے کے لیے بحیرۂ ہند کا مطالعہ کریں، یہ ہر سال پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اس قدرتی عمل سے زمین برابر پھیل رہی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس عمل کی نشان دہی سورۃ النزعٰت کی آیت میں فرمائی، اور سوائے امام احمد رضا کے؛ قدرت کے اس عمل کو سمندر کی ۶ رمیل تہہ کے نیچے کوئی اور (مترجم) نہ دیکھ سکا، مگر امام موصوف نے باطنی علوم کی روشنی میں دیکھ لیا۔ آپ نے اس قدرت کے عمل کو ترجمے میں ارضیاتی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے اپنی علمی وسعتوں کا اظہار کیا اور جامع ترجمہ کیا ''اس کے بعد زمین پھیلائی۔'' زمین کے پھیلنے کے اس عمل کو صرف امام احمد رضا جیسا سائنس داں ہی دیکھ سکا، کیوں کہ ظاہری لفظوں کے ساتھ ساتھ وہ قرآن کا باطن بھی اللہ کی دی ہوئی فہم سے سمجھتے ہیں، جب کہ اردو زبان کے بقیہ مترجمین آیت کا ترجمہ علم ارضیات کی روشنی میں نہ کر سکے جس علم کی طرف آیت اشارہ کر رہی ہے۔

راقم الحروف علم ارضیات کا طالب علم ہے اور گزشتہ ۳۲ رسال سے جامعہ کراچی کے شعبہ ارضیات میں علوم ارضیات کی تدریس میں مصروفِ عمل ہے۔ میری نظر جب قرآن پر پڑتی ہے تو ان قرآنی آیات میں وہ قانون تلاش کرتا ہوں جو زمین کی پیدائش اور اس کے ارتقا سے تعلق رکھتے ہیں۔ مطالعے سے یہ بات سامنے آئی کہ کسی بھی ترجمۂ قرآن میں علومِ ارضیات سے متعلق خصوصاً اور دیگر سائنسی علوم سے متعلق عموماً ایسی ترجمانی نہیں ملتی جو ان علوم وفنون کی نشان دہی کریں، مثلاً:

علم ارضیات میں یہ قانون عام ہے کہ زمین جب پیدا ہوئی تو یہ آگ کا گولہ تھی، اس کے بعد یہ ٹھنڈی ہونا شروع ہوئی، ٹھنڈی ہونے کے دوران یہ برابر ہچکولہ کھاتی رہی یعنی اس میں تھرتھراہٹ تھی اور اس کو قرار نہ تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ زمین کے اوپر پہاڑ بننا شروع ہوئے، زمین اگرچہ اوپر سے ٹھنڈی ہوگئی مگر اس کے اندر (نیچے) گرم پگھلا ہوا لاوا مائع کی شکل میں موجود رہا۔ پہاڑ (آبی یا آتشی) سمندر کے نیچے بھی موجود ہیں اور یہ سب پہاڑ اسی گرم لاوے کے اوپر اسی طرح لنگر انداز ہوتے ہیں، جیسے کسی سمندری جہاز کو اس کے لنگر (Anchor) روکے رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کی جنبش یا تھرتھراہٹ کو پہاڑوں کے لنگر ڈال کر روک رکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ زمین ہم کو ساکن محسوس ہوتی ہے۔ جب کبھی اس توازن میں فرق آتا ہے تو ان مقامات پر زلزلے آجاتے ہیں اور بعض اوقات بڑی بڑی دراڑوں (Deep Faults) کے ذریعے وہ پگھلا ہوا لاوا اوپر آجاتا ہے کیوں کہ ان سخت پہاڑوں کے نیچے ہر جگہ یہ لاوا موجود ہے، کہیں اس کی گہرائی ہزاروں فٹ میں ہے اور کہیں اس کی گہرائی

کئی سو میل نیچے ہے۔ زلزلے کے وقت جو تھرتھراہٹ یا جنبش ہوتی ہے زمین اپنی پیدائش کے وقت اسی طرح کانپتی رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ بنا کر اس پر لنگر انداز کیے اور اس طرح اس زمین کو سکون حاصل ہوا۔ اس سارے عمل کو علم ارضیات میں (Plate-Tectonics) کہتے ہیں۔

(Arthur Holmes,1972,"Principles of Physical Geology" p.22)

قرآن مجید فرقان حمید نے زمین کے متعلق کئی انداز میں تذکرہ کیا ہے، اردو مترجمینِ قرآن نے ان آیات کا ترجمہ تو بے شک کیا ہے، لیکن ان آیات کے پیچھے جو علم کا سمندر ہے اس کو لفظی، لغوی ترجمہ کرنے سے قاصر رہے اور وہ صرف لفظی ترجمہ کر کے آگے بڑھ گئے، مگر امام احمد رضا چوں کہ علومِ دینیہ کے ساتھ ساتھ علومِ ارضیات کے بھی ماہر ہیں ان کی نگاہ نے آیت کے پیچھے قدرت کے اس سارے عمل کو دیکھ لیا اور پھر ترجمہ کرتے وقت ان آیات کے لیے ایسے الفاظ کا چناؤ کیا جو علوم ارضیات کی عکاسی بھی کر رہا ہے۔ آیئے سورۂ انبیا کی آیات کا مطالعہ کریں:

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ۔ وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ ۪ وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ۔ (سورۃ الانبیاء: آیت نمبر ۳۰، ۳۱)

ترجمہ: ''کیا کافروں نے یہ خیال نہ کیا کہ آسمان اور زمین بند تھے تو ہم نے انھیں کھولا اور ہم نے ہر جان دار چیز پانی سے بنائی تو کیا وہ ایمان نہ لائیں گے اور زمین میں ہم نے لنگر ڈالے کہ انھیں لے کر نہ کانپے اور ہم نے اس میں کشادہ راہیں رکھیں کہ کہیں وہ راہ پائیں۔'' (کنزالایمان)

اب ملاحظہ کیجیے ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ:

''کیا جو لوگ منکر ہیں انھوں نے اس بات پر نظر نہیں کی آسمان و زمین میں دونوں کا ایک بھنڈا (ڈھیر) سا تھا تو ہم نے (اس کو توڑ کر) زمین و آسمان کو الگ الگ کیا اور پانی سے تمام جان دار چیزیں بنائیں تو کیا اس پر بھی لوگ (ہم پر) ایمان نہیں لاتے اور ہم ہی نے زمین میں بھاری بوجھل پہاڑ (مواقع مناسب پر) رکھے تاکہ زمین لوگوں کو لے کر (کسی طرف کو) جھک نہ پڑے اور ہم ہی نے اس میں چوڑے چوڑے راستے بنائے تاکہ لوگ اپنی منزل مقصود کو جا پہنچیں۔''

(ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ''حمائل شریف مترجم'' ص ۵۱۹)

چند مزید ترجمے ''وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ'' سے متعلق ملاحظہ کیجیے:

ترجمہ: ''اور ہم نے زمین میں جمے ہوئے پہاڑ بنادیے کہ ایک طرف ان کے ساتھ جھک نہ پڑے۔'' (ابوالکلام آزاد)

ترجمہ: ''اور زمین میں ہم نے بھاری بھاری پہاڑ قائم کردیے کہ کہیں ان کو لے جھک نہ جائے۔''
(مقبول احمد دہلوی)

سورۂ انبیا کی ۳۱ رویں آیتِ کریمہ کی جامعیت جو امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن میں پائی جاتی ہے وہ جامعیت دیگر تمام تراجم میں ناپید ہے۔ دیگر مترجمین قدرت کے اس عمل کو جان ہی نہ سکے کہ پہاڑ کس طرح قائم ہیں اور زمین کا سکون کس طرح برقرار ہے، کیوں کہ کوئی بھی مترجم (Isostatic Theory) نہیں سمجھتا؛ اس لیے ترجمے میں جو بات پوشیدہ ہے ضبطِ تحریر میں نہ لا سکا؛ یہ صرف امام احمد رضا کی فکر کی گہرائی ہے کہ انھوں نے دو لفظوں کے چناؤ سے قدرت کے اس طریق کو ترجمے میں ظاہر کر دیا کہ پہاڑ ضرور تہہ بہ تہہ جمائے گئے ہیں مگر یہ لنگر انداز ہیں اور یہ کھلی حقیقت ہے جو کہ جیولوجی سے تعلق رکھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ پہاڑ کیوں کر خاموش کھڑے ہیں۔

دیگر تراجم میں ایک بات اور جو انہونی ترجمہ کی گئی ہے وہ یہ کہ زمین لوگوں کے بوجھ سے اُدھر سے اُدھر جھک جاتی ہے، اس لیے پہاڑوں کو جمایا گیا جب کہ زمین انسانوں کی پیدائش سے ۶.۴ ربلین سال پہلے قرار پا چکی تھی یا کم از کم حضرت آدم علیہ السلام کی آمد سے قبل قطعی سکون میں آ چکی تھی اور اگر انسانوں کے بوجھ سے ہلتی جلتی تو آج اس کو پہلے کے مقابلے میں زیادہ ہلنا چاہیے، کیوں کہ روزانہ ہزاروں لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے ہیں، پاکستان ہی کی مثال لیجیے کہ کراچی شہر میں ڈیڑھ کروڑ انسان رہتے ہیں جب کہ پورے بلوچستان میں کچھ لاکھ افراد بستے ہیں، مگر شہر کراچی میں لوگوں کے بوجھ سے زمین نہ دب رہی اور نہ ہچکولے کھا رہی ہے۔ انسان کا بوجھ ہوتا ہی کیا ہے جو زمین کو غیر متوازن کر سکے۔ درحقیقت آیت کا مفہوم وہی ہے جو امام احمد رضا نے سمجھا ہے اور جو علوم ارضیات سے بھی مطابقت رکھتا ہے کہ پہاڑوں کے لنگر اس لیے ڈالے ہیں کہ زمین ان لنگروں کے بغیر ہچکولے کھاتی تھی اس لیے ان لنگروں سے اس کو قائم رکھا ہے۔

ان تمام امثال کے بعد یہ بات اچھی طرح واضح ہوتی ہے کہ امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن دیگر تمام اردو تراجم سے زیادہ بہتر ہے اور یہ عین سائینٹفک توجیہات کے مطابق بھی ہے، یہاں موقع نہیں ورنہ دیگر سائنسی علوم وفنون سے متعلق بھی آیات کے تقابل کو پیش کرتا۔ شواہد اور دلائل اس بات کے مظہر

ہیں کہ امام احمد رضا مسلمان سائنس دانوں میں ان چند ہستیوں میں شامل ہیں جن کو دین کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم کا مجدد تسلیم کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ امام احمد رضا کی کوئی بھی تھیوری قرآن اور حدیث کے خلاف نہیں ہوتی۔ دُنیا آج زمین کو سورج کے گرد گھومتا ہوا تسلیم کرتی ہے مگر آپ نے اپنی کتاب ''فوزِ مبین در ردِ حرکت زمین'' میں ۱۰۵ ردلائل سے زمین کو ساکن قرار دیا کیوں کہ قرآن کی نص سے یہ بات ثابت ہے کہ زمین وآسمان ساکن ہیں اور باقی سارے سیارے گھوم رہے ہیں۔

تاریخ میں ہزاروں مسلمان سائنس داں علومِ عقلیہ کے امام تسلیم کیے گئے ہیں، مگر ان میں علومِ نقلیہ کی استعداد رکھنے والے بہت کم ہیں۔ اگرچہ ہر کوئی قرآن وحدیث سے استفادہ ضرور کرتا ہے، کیوں کہ اول ماخذ ہی یہ ہے؛ لیکن دونوں علوم میں دسترس رکھنے والی امام غزالی جیسی ہستیاں کم ہیں۔ امام احمد رضا کو دین اسلام کا چودھویں صدی ہجری کا مجدد تسلیم کیا گیا ہے مگر آپ علومِ عقلیہ کے بھی اکثر علوم وفنون میں مجدد نظر آتے ہیں۔ راقم یہ بات کہنے میں غلط نہیں کہ امام احمد رضا مجدد دین وملت اور مجددِ علومِ جدیدہ ہیں۔ حکیم محمد سعید صاحب نے امام احمد رضا کی ذہانت وفطانت پر جو جامع تبصرہ کیا وہ ملاحظہ کیجیے:

''گزشتہ نصف صدی میں طبقہ علما میں جو جامع شخصیات ظہور میں آئی ہیں ان میں مولانا احمد رضا کا مقام بہت ممتاز ہے، ان کی علمی دینی اور ملی خدمات کا دائرہ وسیع ہے۔ تفقہ اور دینی علوم کے ساتھ ساتھ فاضل بریلوی کی مہارت سائنس اور طب کے علوم میں بھی بہت زیادہ ہے؛ ان کی بصیرت علماے سلف کے اس ذہن وفکر کی نمائندگی کرتی ہے جس میں دینی یا دُنیاوی علوم کی تفریق نہ تھی، ان کی شخصیت کا یہ پہلو عصرِ حاضر کے علما اور دانش گاہوں کے معلمین دونوں کو دعوت فکر ومطالعہ دیتا ہے۔''

(حکیم محمد سعید ''پیغام برائے مجلہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۸۸ء، ص ۱۵، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی)

حکیم صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں:

''فاضل بریلوی کے فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ احکام کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لیے سائنس اور طب کے تمام وسائل سے کام لیتے ہیں اور اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ کسی لفظ کی معنویت کی تحقیق کے لیے کن علمی مصادر کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

(ایضاً، طبی بصیرت ''معارف رضا'' شمارہ نہم، ص ۱۰۰، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی)

امام احمد رضا بریلوی کے ترجمۂ قرآن میں امتیازی پہلو دیگر مترجمین قرآن کے مقابلے میں یہ

ہے کہ جو جامعیت، معنویت، مقصدیت قرآن کے کلمات میں محفوظ ہے یا کسی بھی عمل کی جو حقیقت اس کے وجود میں پوشیدہ ہے؛ امام احمد رضا اس کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں، اور اس علم کی روشنی میں اس کی ترجمانی فرماتے ہیں۔

یہ اس وقت ہی ممکن ہے کہ جب مترجم کے ذہن میں تمام تفاسیر، لغوی معنویت، احادیث، آثار اور تمام علوم وفنون کا مجموعہ اس کے قوتِ حافظہ میں ہو اور خداوند کریم کی طرف سے اس کی ذہانت اتنی قوی ہو کہ تمام کلمات کو ان کی معنویت کے ساتھ یک جا کر لے۔

یہ خداداد صلاحیت ہی امام احمد رضا کو ان کے تمام ہم عصر حضرات میں اعلیٰ بنائے ہوئے ہے جس کی بنا پر ہر سمجھ دار آپ کو اعلیٰ حضرت کہنے پر حق بجانب ہے۔

☆☆☆

مفتی اعظم آج بھی زندہ ہیں!

''حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی نہایت صاف ستھری اور پاکیزہ تھی۔ انھوں نے عقائد کے معاملے میں کبھی کسی سے سمجھوتہ نہیں کیا۔ دولت کی چمک نے اچھے اچھوں کی آنکھیں خیرہ کر دیں مگر مفتی اعظم کے ایمان کی دولت ساری دنیوی تابانیوں پر بھاری رہی۔ انہوں نے جو کچھ کہا اور کیا وہ سب کچھ اعلاے کلمۃ الحق کے سلسلے میں تھا۔ پھر انھوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ان کا کوئی فتویٰ حکومت وقت کی پیشانی پر شکن ڈال دے گا اور بیسویں صدی کے نمرودان کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ وہ اپنے سارے معاملات میں اللہ کے ہو گئے اور اللہ ان کا ہو گیا۔ خاندانی منصوبہ بندی کی جو آندھی اٹھی تھی، اس میں ہندوستان کی بہت سی خانقاہیں اپنی روایات کی نسبندی کرا بیٹھیں مگر مارہرہ مطہرہ کی خانقاہ سے فیض یافتہ مفتی اعظم کا قلم ذوالفقار حیدری کا جانشین بن کر صفحۂ قرطاس پر حرام حرام لکھ گیا۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ اللہ ورسول کی حدوں کو توڑنے والے صفحۂ ہستی سے مٹ گئے مگر مفتی اعظم آج بھی زندہ ہیں۔ اور ان کا فیض آج بھی جاری وساری ہے۔''

آل رسول سید حسنین میاں نظمی مارہروی علیہ الرحمہ

[جہانِ مفتی اعظم، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۲۲۶]

تعلیم اور فکر رضا

غلام مصطفیٰ رضوی
نوری مشن، مالیگاؤں
Cell. 9325028586, gmrazvi92@gmail.com

کسی بھی قوم کی تعمیر وترقی میں تعلیم کو بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ مسلمانوں نے دُنیا کو علم کا ایک نیا تصور دیا جس میں انسانی اقدار کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا۔ تعلیم کا مقصد انسانیت کو اس کے اصل مقام سے آشنا کرانا ہے، ظلم وستم کا خاتمہ اور تہذیب وتمدن کی درستی کے ساتھ ہی اخلاقی خوبیوں سے آراستہ کرنا بھی مقاصدِ علم میں شامل ہے۔ تعلیم کی بنیاد پر بہت جلد مسلمانوں نے دُنیا کے کئی براعظموں میں اسلام کی حقانیت وصداقت کے پھریرے لہرائے؛ دراصل یہ کامیابی اسلام کے عطا کردہ اس نظام تعلیم کی تھی جو سرور کائنات فخر موجودات حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشکیل فرمایا تھا۔ صدیوں تک مسلمان دُنیا کے معلم بنے رہے اور جب سے علم دین سے رشتہ ٹوٹا ہے زوال سے دوچار ہوئے۔

ماضی کی قدآور علمی شخصیات مثلاً حضرت امام غزالی، حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور امام احمد رضا محدث بریلوی علیہم الرحمۃ و الرضوان نے اپنے کارہاے علمیہ سے زمانے کو متاثر کیا؛ ان کے افکار ونظریات پر دُنیا بھر میں تحقیقی کام ہو رہے ہیں؛ اہلِ علم ونظر حیران وششدر رہ جاتے ہیں کہ کس طرح ان شخصیات نے عظیم کارنامے انجام دے کر اسلام کی شان ووقار کا تحفظ کیا اور ایک صالح انقلاب برپا کر دیا۔

امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی (ولادت: ۱۰؍شوال المکرم ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء، وصال: ۲۵؍صفر المظفر ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) علومِ دینیہ میں دسترس رکھتے تھے، علوم قدیمہ وجدیدہ میں بھی یکتاے روزگار تھے۔ آپ نے عمر بھر علم دین کی ترویج واشاعت کی۔ آپ کے تلامذہ وخلفا نے برصغیر میں علمِ دین کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا اور مابعد زوال ایک نئی تاریخ مرتب کی جو حوصلہ افزا قرار دی جاسکتی ہے۔ انگریزی دورِ تسلط میں علوم دینیہ کی باوقار خدمت امام احمد رضا کا عظیم کارنامہ ہے۔

علم اور تعلیم کے حوالے سے امام احمد رضا قدس سرہ کے نظریات وتجاویز ضرور اس لائق ہیں کہ انھیں عام کیا جائے؛ ان پر تحقیق وتدقیق کی جائے۔ آپ کے فتاویٰ، تصانیف، تالیفات اور مکتوبات میں

تعلیم وتدریس، نصاب اور علم کے اسلامی اصول وضوابط پر بہت سارے نکات واصول ملتے ہیں، جن کی تصریح وتوضیح کے لیے کئی علمی وتحقیقی کام انجام دیے جاسکتے ہیں۔ راقم اس مقالے میں علم سے تعلق رکھنے والے چند امور پر اجمالی روشنی ڈالے گا۔

ایک ماہرِ تعلیم ہونے کی حیثیت سے امام احمد رضا نے علم دین کی عظمت وبرتری، تعلیم کے طرق و اصول، نصاب کی خصوصیات وتدوین، ذرائع علم وتعلیمی منہج، استاذ کا مقام ومرتبہ اور ادب واحترام، شاگرد کے حقوق وذمہ داریاں، علم کے دقائق اور فنی لوازمات، تصورِ سزا اور ضابطۂ اخلاق، لسانی تعلیم وتجرباتی علوم پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ آپ ۵۴ر سے زیادہ علوم وفنون میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ جنھیں علوم کی جدید تقسیم کی بنیاد پر سو سے زائد علوم میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں اسلامی دُنیا میں آپ جیسا ماہرِ تعلیم نہیں گزرا جس نے اس قدر علوم کو برتا اور مسلمانوں کے تعلیمی عروج وارتقا کے لیے مؤثر جدوجہد کی۔

ذہانت وفطانت اور تبحرِ علمی:

زمانۂ طالب علمی سے ہی امام احمد رضا کی ذہانت وفطانت کے آثار نمایاں ہونے شروع ہوگئے تھے۔ آپ نے طلبہ کی آسانی وتفہیم کے لیے درس کی بڑی بڑی کتابوں پر حاشیے تحریر فرمائے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''اور میں نے ان جملہ علوم کی بڑی بڑی کتابوں پر حواشی بھی لکھے ہیں۔ حاشیہ نویسی کا سلسلہ زمانۂ طالب علمی سے اب تک جاری ہے کیوں کہ اس وقت میرا یہ دستور رہا کہ جب کوئی کتاب پڑھی اگر وہ میری ملک میں ہے تو اس پر حواشی لکھ دیے، اگر اعتراض ہوسکتا ہے تو اعتراض لکھ دیا اور اگر مضمون پیچیدہ ہے تو اس کی پیچیدگی دور کردی؛ حنفی اصولِ فقہ کی کتاب مسلم الثبوت پر، صحیح بخاری کے نصف اول پر، صحیح مسلم اور جامع ترمذی پر، شرح رسالہ قطبیہ پر حاشیہ امور عامہ پر اور شمس بازغہ پر اکثر حواشی اس وقت لکھے جب کہ طلب علم کے زمانہ میں اپنے سبق کے لیے مطالعہ کرتا تھا۔ علاوہ ازیں تیسیر شرح جامع صغیر پر، شرح چغمینی اور تصریح پر، اقلیدس کے تین مقالوں اور الزیج الاجداد اور علامہ شامی کی ردالمحتار پر بھی حواشی لکھے۔'' (۱)

علوم الفرائض میں وراثت سے متعلق حساب کی ضرورت ہوتی ہے، اس علم کو صرف چند ساعتوں میں ازبر کرلیا وہ بھی زبانی درس لے کر۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''بچپن میں استاذ محترم نے علم فرائض میں وارثوں کے حصے اور ان کی تقسیم کا طریقہ بتایا تھا وہ بھی زبان مبارک سے، کتاب کے بغیر صرف ایک گھڑی کے اندر اور حساب کے صرف چار قاعدے سکھائے تھے:

۱۔جمع ۲۔تفریق ۳۔ضرب ۴۔تقسیم

ان قاعدوں کی تعلیم اس لیے دی تھی کہ علم فرائض میں جو علومِ دینیہ کا نصف ہے؛ ان کی ضرورت پڑتی رہتی ہے اور علم ہیئت سے شرح چغمینی کے چند اوراق دائرۃ الارتفاع تک پڑھائے تھے۔ اور علم ہندسہ سے نصیر طوسی کی تحریر اقلیدس کی صرف شکل اول کی تعلیم دی تھی۔'' (۲)

علمائے حرمین کے نام جو اجازات واسانید جاری فرمائے ان کے مطالعہ سے امام احمد رضا کے استحضار ووجاہتِ علم اور ذہانت وفطانت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ایک اقتباس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

''ان علموں کی بھی اجازت دیتا ہوں جنہیں میں نے کسی افادہ بخش استاذ سے حاصل نہیں کیا نہ پڑھ کر، نہ سن کر، نہ باہمی گفتگو سے، اور حاصل کردہ علوم ان علموں کی تحصیل سے نہ مستغنی کرسکتے ہیں نہ ان کی استعداد دے سکتے ہیں اور مجھ جیسے ہمزمان ایسے علموں کو تعلیم وتعلم کے بغیر حاصل کرنے کے عادی بھی نہیں، مگر اس عاجز وفقیر پر رب قدیر نے ایسا فضل فرمایا کہ میں نے انہیں محض کتب بینی سے اور نظر و فکر کے استعمال سے حل کرلیا، کسی پر اعتماد کرکے اس کے حضور زانوے تلمذ تہ کرنے کی ضرورت نہ پڑی، گویا اپنے اقران میں ان علوم کا موجد ہوں۔'' (۳)

یہ امام ممدوح کے استحضارِ علمی کی ایک جھلک ہے۔ اس موضوع پر تفصیل ووضاحت کے لیے قرطاس ووقت دونوں درکار ہیں۔ جس پر پھر کبھی لکھا جائے گا۔

علم دین کی فرضیت:

اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ دُنیوی علوم اور جدید تہذیب کے دِل دادہ حدیث پاک، **طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة** (ہر مسلمان مرد وعورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔) بیان کرتے رہتے ہیں اور اس سے مراد کوئی بھی علم لے لیتے ہیں۔ چاہے وہ غیر مفید علوم ہوں یا علوم جدیدہ سائنس واقتصادیات ومعاشیات وغیرہ۔ جب کہ حدیث پاک کی مراد صرف فرض عین علم یعنی ''علم دین'' ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

''علمِ دین سیکھنا اس قدر کہ مذہبِ حق سے آگاہ ہو، وضو، غسل، نماز، روزے وغیرہا

ضروریات کے احکام سے مطلع ہو، تاجر تجارت، مزارع زراعت، اجیر اجارے، غرض ہر شخص جس حالت میں ہے اس کے متعلق احکام شریعت سے واقف ہو، فرض عین ہے۔'' (۴)

اس پہلو سے امام احمد رضا نے جو مدلل اور تفصیلی وعلمی بحث فرمائی ہے وہ فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد ۲۳ ر میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ جو بڑی مبسوط، مبرہن اور جامع و مانع ہے؛ تعلیمی شعبوں سے منسلک افراد کے لیے اس میں زبردست مواد اور رہنمایانہ نقوش موجود ہیں۔

غیر مفید علوم:

یہود و نصاریٰ نے نظامِ تعلیم کے ایسے ضابطے تشکیل دیے جن سے اخلاقی گراوٹ آئے، بے حیائی اور برے کاموں کو فروغ ملے۔ ایسے نظریات اختراع کیے گئے جن سے عقائد کا جوہر تباہ ہو اور دینی حمیت رُخصت ہو کر رہ جائے۔ غالباً علم اور مذہب کی جدا جدا خانوں میں تقسیم کے پیچھے یہی فکر مضمر تھی کہ دینی علوم کا ماہر دوسرے علوم سے بے بہرہ ہو جائے اور دُنیوی علوم کا ماہر دین کے علم سے دور رہے۔ یہ امر بھی پوشیدہ نہیں کہ باعثِ فخر وانبساط صرف دُنیا کا علم تصور کیا جانے لگا جس میں دین سے دوری کا بہت کچھ سامان موجود ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

''جو چیز اپنا دین وعلم بقدر فرض سیکھنے میں مانع آئے حرام ہے، اس طرح وہ کتابیں جن میں نصاریٰ کے عقائد باطلہ مثل انکار وجود آسمان وغیرہ درج ہیں ان کا پڑھنا بھی روا نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔'' (۵)

فلاسفہ نے ایسے نظریات تراش لیے جو اسلام کی راہِ مستقیم سے جُدا تھے۔ عقلِ خام کو ہی قبلہ قرار دے لیا اور اس ناپائیدار کسوٹی پر اسلامی عقائد کو پرکھنے کی کوشش کی اور ٹھوکر کھا گئے۔ بہت سے من گڑھت نظریات اختراع کر لیے؛ ایسے ہی گردشِ زمین کا نظریہ، آسمانوں اور جن وشیطان کے وجود کا انکار اور بہت سے قیاسات، جن کے سبب فلسفہ کی ایسی غیر اسلامی نظریات پر مشتمل تعلیم کا حاصل کرنا ضرر رساں ٹھہرا۔ امام احمد رضا اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

''غیر دین کی ایسی تعلیم کہ تعلیم ضروری دین کو روکے مطلقاً حرام ہے۔ فارسی ہو یا انگریزی یا ہندی نیز ان باتوں کی تعلیم جو عقائد اسلام کے خلاف ہوں جیسے وجود آسمان کا انکار یا وجود جن وشیطان کا انکار یا زمین کی گردش سے لیل ونہار یا آسمانوں کا خرق والتیام محال ہونا یا اعادۂ معدوم ناممکن ہونا وغیر ذلک عقائد باطلہ کہ فلسفہ قدیمہ وجدیدہ میں ہیں ان کا پڑھنا پڑھانا حرام ہے۔ کسی زبان میں ہو نیز

ایسی تعلیم جس میں نیچریوں دہریوں کی صحبت رہے۔'' (۶)

گویا علوم وفنون کے حصول کا ایسا ضابطہ دے دیا کہ وہ نظریات جو دینی سرحدوں سے ٹکرائیں انہیں چھوڑ دیا جائے اور جن میں ضرر نہ ہو انہیں اختیار کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ یوں ہی ایک اور مقام پر لادینی افکار کی تردید میں فرماتے ہیں:

''سائنس وغیرہ وہ فنون وکتب پڑھنی جن میں انکار وجود آسمان وگردشِ آفتاب وغیرہ کفریات کی تعلیم ہو حرام ہے۔'' (۷)

فلسفہ اور امام ربانی وامام احمد رضا:

گزشتہ سطور میں فلسفہ اور فلاسفہ کے غلط نظریات سے متعلق امام احمد رضا کا اسلامی فکر پر مشتمل اقتباس گزرا۔ موقع کے مناسب یہاں امام ربانی مجدد الف ثانی کا تاثر تحریر کر دیا جاتا ہے تاکہ مجدد ین کی فکری یکسانیت کا ایک پہلو بھی واضح ہو جائے۔ اور یہ بھی اُجاگر ہو کہ دونوں بزرگوں کی اسلامی سوچ اور باطل کی تردید کی فکر میں مماثلت تھی اور اشتراکِ نظریہ بھی۔ امام ربانی اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''لوگ فلاسفہ کے علوم کو پورا اور منظم جانتے ہیں اور غلطی اور خطا سے محفوظ سمجھتے ہیں، اگر بفرض اس حکم کے، ان علوم میں سچا بھی سمجھ لیا جائے، جن میں عقل کو استقلال ودخل ہے تو وہ خارج از بحث ہیں، اور بیکار کے دائرہ میں داخل ہیں، اور آخرت سے جو کہ دائمی ہے کوئی کام نہیں رکھتے، اور اخروی نجات ان سے وابستہ نہیں ہے۔'' (۸)

امام احمد رضا کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ کیسی فکری یکسانیت ومناسبت ہے:

''اور فلسفہ تو حرام ہے، مضر اسلام ہے، اس میں منہمک رہنے والا جہل جاہل، اجہل بلکہ اس سے زائد کا مستحق ہے۔'' (۹)

فلاسفہ کے باطل نظریات کی بیخ کنی میں مجدد الف ثانی وامام احمد رضا کے کردار کے موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ قلم بند کیا جاسکتا ہے۔ اربابِ قرطاس وقلم کی اس سمت تھوڑی سی توجہ درکار ہے۔

استاذ کا منصب اور اس کے آداب:

استاذ علم سے نوازتا ہے، تربیت کے مراحلِ شوق طے کراتا ہے۔ امام احمد رضا نے اپنی تصانیف میں متعدد مقامات پر استاذ کے ادب واحترام، اکرام ومقام اور منصب ووقار کی وضاحت فرمائی

ہے۔ اور تعلیم و تعلم میں استاذ کے کردار کو اُجاگر کیا ہے۔ امام احمد رضا نے علم دین کے استاذ کی جو قدر و منزلت ظاہر فرمائی ہے اور ان کے مقام و مرتبے کو بتایا ہے؛ اسے راقم بہ شکل نکات تحریر کرتا ہے:

(۱) عالم دین ہر مسلمان کے حق میں عموماً اور استادِ علم دین اپنے شاگرد کے حق میں خصوصاً نائب حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ (۱۰)

(۲) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں، جب میں بغرض تحصیل علم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درِ دولت پر جاتا اور وہ باہر تشریف نہ رکھتے ہوتے تو براہِ ادب ان کو آواز نہ دیتا؛ ان کی چوکھٹ پر سر رکھ کر لیٹ رہتا، ہوا خاک اور ریت اُڑا کر مجھ پر ڈالتی پھر جب حضرت زید کاشانۂ اقدس سے تشریف لاتے اور فرماتے، اے ابن عم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، آپ نے مجھے اطلاع کیوں نہ کرادی، میں عرض کرتا مجھے لائق نہ تھا کہ میں آپ کو اطلاع کراتا۔ (۱۱)

(۳) اگر اس کا (استاذ کا) حکم مباحات میں ہے تو حتی الوسع اس کی بجا آوری میں اپنی سعادت جانے،

(۴) علما فرماتے ہیں، جس سے اس کے استاذ کو کسی طرح کی ایذا پہنچی وہ علم کی برکت سے محروم رہے گا،

(۵) امام احمد رضا کے نزدیک اساتذہ کو دھوکا دینا خصوصاً امرِ دین میں گناہِ کبیرہ ہے اور یہ یہودیوں کی خصلت ہے۔ (۱۲)

(۶) پیر و استاذِ علم دین کا مرتبہ ماں باپ سے زیادہ ہے۔ وہ مربی بدن ہیں یہ مربی روح، جو نسبت روح سے بدن سے ہے؛ وہی نسبت استاد و پیر سے ماں باپ کو ہے۔ (۱۳)

استاذ کا انکار:

صاحبِ علم کو لازم ہے کہ استاذ کی عنایات و نوازشات کو یاد رکھے۔ جس نے علم جیسی دولت سے نوازا، سکھایا، پڑھایا، سنوارا، نکھارا اسی کا انکار کر دیا جائے؛ اس کی خدمات کو فراموش کر دیا جائے؛ یہ غیر اخلاقی بلکہ انسانی تکریم کے خلاف کام ہے اور کفرانِ نعمت۔ امام احمد رضا سے دریافت کیا گیا:

اگر کوئی صاحب اہلِ علم ہو کر اپنے استاد مربی کا انکار کرے کہ ہمارا کوئی استاذ نہیں باوجودیکہ گواہ موجود ہوں، تو اس کے واسطے کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

آپ نے جواب ارشاد فرمایا: ''استاد کا انکار کفرانِ نعمت ہے اور کفرانِ نعمت موجب سزا و عقوبت۔'' (۱۴)

امام احمد رضا کا طریقِ تدریس:

امام احمد رضا تدریسی اصول و ضوابط کے سلسلے میں ہر پہلو مدِ نظر رکھتے ہیں جن سے تدریس

میں نکھار پیدا ہو اور طلبہ کے لیے سہولت مہیا ہو۔ دورانِ تدریس چند امور کی طرف توجہ مبذول کراتے ہیں۔ جو دور بیں نگاہ سے دیکھا جائے تو تدریس کے تقاضوں سے متعلق ہیں، مثلاً:

(۱) جو علم سکھایا جائے سیکھنے والا اس کا اہل ہو۔

(۲) استاذ جو پڑھا رہا ہے اس میں خود غواصی رکھتا ہو۔

(۳) استاذ متعلقہ کتابیں پوری تحقیق اور گہرائی کے ساتھ پڑھائے۔

(۴) تنقید کا پہلو بھی پیشِ نظر رہے تاکہ طلبہ کے ذہن میں کوئی اشکال وارد ہو تو اس کا تصفیہ بھی ہو۔

امام احمد رضا اپنی تدریس کا حال تحریر فرماتے ہیں:

''فقیر نے قدرت والے رب کی مدد سے ان تمام علوم و فنون میں غواصی کی اور ان کے دقائق و حقائق آسان کر کے ان کے اصحاب کو سکھائے اور ان کی کتابیں پوری چھان بین اور تنقید کے ساتھ پڑھائیں۔'' (۱۵)

نااہل کو علم دینا توہینِ علم ہے۔ یہی سبب ہے کہ آج صلاحیت و قابلیت سے محروم سند یافتہ/غیر سند یافتہ افراد کی بہتات ہے؛ الا ماشاء اللہ! جو فتنے کا سبب بھی بنتے ہیں اور علم کا ادب و احترام بھی اُٹھتا چلا جا رہا ہے اور عمل کا فقدان مستزاد۔ امام احمد رضا اپنے فتاویٰ میں صحیح بخاری کتاب العلم کی ایک حدیث پاک کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

''قابلیت سے باہر علم سکھانا فتنہ میں ڈالنا ہے اور نا قابل کو مباحث و مجادل بتانا دین کو معاذ اللہ ذلت کے لیے پیش کرنا ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"**اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ** (جب نااہل کو کام سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو) **واللہ تعالیٰ اعلم۔**" (۱۶)

مدرّس کیسا ہو:

عصری علوم کے ماہرین عموماً دین کی قدر و وقعت نہیں رکھتے یا اسے ثانوی حیثیت دیتے ہیں، معاذ اللہ۔ جو تعلیم یافتہ ایسی غلط فکر رکھتے ہوں ایسے کو استاذ بنانا شرعاً ممنوع ہے۔ ایسے سے دین کی تعلیم لینا ضرر کا سبب ہوگا اور ان سے احتراز چاہیے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں:

''اور جب وہ (مدرس) دین کا تنزل چاہنے والا ہے تو تعلیم دین کی ترقی اس سے کیوں کر متوقع ہے، اس مدرسہ کے پاس نہ جانا چاہیے اور چھوڑ دیا جائے کہ اسی کے خیال والے اس میں

پڑھیں۔'' (۱۷)

ایک مقام پر آپ تحریر فرماتے ہیں:

''مدرس کے لیے ذی علم، ذی فہم، سُنّی صحیح العقیدہ ہونا کافی ہے۔'' (۱۸)

سند کی ضرورت:

عصر حاضر میں ایسے افراد کی بہتات ہے جو تھوڑی بہت علمی شُدبُد رکھ لینے پر خود کو بہت بڑا اہلِ علم گردانتے ہیں۔ افسوس تو اس کا ہے کہ بے علم بھی خود کو دھڑلے سے عالم کہہ اور کہلوا رہے ہیں۔ بعض تو چند کتابیں پڑھ لیتے ہیں اور اثر و رسوخ کا استعمال کر کے کہیں کی سند حاصل کر لی تو مولانا کہلواتے پھرتے ہیں۔ یا پھر تھوڑی بہت لفاظی سیکھ لی اور تقریریں کر لیں؛ یا یہاں وہاں سے کچھ نقل کر لیا اور مصنف بن بیٹھے، چند لطیفے، غیر مستند روایات بیان کر دیں اور خود کو علامہ جان بیٹھے۔ پھر جب کوئی مسئلہ دینی پوچھا جاتا ہے تو عدم واقفیت کے باوجود اپنی بنانے کے لیے اُلٹے سیدھے جواب دے کر فتنوں کے راستے کھول دیتے ہیں۔ امام احمد رضا نے باضابطہ درس لینے اور علم حاصل کرنے کو اہمیت دی ہے اور بے قاعدہ تعلیم پا کر صاحبِ علم منوانے اور کہلوانے والے افراد کو جاہل قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''سند حاصل کرنا تو کچھ ضروری نہیں، ہاں باقاعدہ تعلیم پانا ضرور ہے۔ مدرسہ میں ہو یا کسی عالم کے مکان پر، اور جس نے بے قاعدہ تعلیم پائی وہ جاہل محض سے بدتر، نیم مُلّا خطرۂ ایمان ہوگا ایسے شخص کو فتویٰ نویسی پر جرأت حرام ہے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **من افتی بغیر علم لعنته ملٰئکة السماء والارض**۔ جو بے علم فتویٰ دے اس پر آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت ہے۔'' (۱۹)

صحبت کا اثر:

صحبت کے بارے میں امام احمد رضا کے متعدد فتاویٰ میں بحث ملتی ہے۔ آپ عقیدے کو فوقیت دیتے ہیں۔ اس سبب جن کے عقیدے کھوٹے ہیں ان سے تعلیم لینے؛ ان کی صحبت اختیار کرنے؛ ان کے درس میں شرکت کو مضر قرار دیتے ہیں۔ ایک طالب علم نے سوال کیا کہ؟

''وہابیوں کے پاس اپنے لڑکوں کو پڑھانا کیسا ہے اور جو ان کے پاس اپنے لڑکے کو پڑھانے کے لیے بھیجے اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

جواب ارشاد فرمایا: ''حرام حرام حرام اور جو ایسا کرے بدخواہ اطفال ومبتلائے آثام۔ قال

اللہ تعالیٰ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَاَهۡلِيۡكُمۡ نَارًا (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔) **واللّٰہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم**۔'' (۲۰)

صحبت کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ والدین کو چاہیے کہ بچوں کو ایسی صحبت سے بچائیں جو اخلاق وکردار اور عقیدہ وعمل کی تباہی وبربادی کا سبب ہو؛ اور ایسی صحبت تو بڑی خطرناک ہے جس سے ایمان کو خطرہ لاحق ہو۔

تعلیمی پیغام:

۱۵/ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۰ھ کو مولانا شاہ محرم علی چشتی صدر ثانی انجمن نعمانیہ لاہور نے دینی و تعلیمی، قومی وملی اور اشاعتی واعتقادی وسیاسی مسائل سے متعلق دس نکاتی سوال نامہ امام احمد رضا کی بارگاہ میں ارسال کیا؛ جن کا جواب بڑا انقلابی، فکری وہمہ پہلو خوبیوں پر مشتمل ہے۔ امام احمد رضا نے اس میں قوم کے تعلیمی وفکری انحطاط اور اس کے تدارک پر روشنی ڈالی ہے، دس نکاتی تعلیمی منصوبہ بھی عنایت کیا ہے۔ ان نکات پر عمل کر لیا جاتا تو آج قوم کی حالت قدرے مختلف اور بہتر ہوتی۔ افسوس! کہ اس تعلیمی پیغام کو سو سال پورے ہونے کو آئے مگر ہم اس پر عمل سے غافل ہی رہے۔ راقم ان نکات کو نمبروار درج کرتا ہے جو ہمیں بیداری کا پیغام دے رہے ہیں اور دعوتِ فکر وعمل بھی:

(۱) عظیم الشان مدارس کھولے جائیں۔ باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔

(۲) طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نخواہی گرویدہ ہوں۔

(۳) مدرسوں کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کارروائیوں پر دی جائیں کہ لالچ سے جان توڑ کر کوشش کریں۔

(۴) طبائع طلبہ کی جانچ ہو جو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے معقول وظیفہ دے کر اس میں لگایا جائے۔ یوں ان میں کچھ مدرسین بنائے جائیں، کچھ واعظین، کچھ مصنفین، کچھ مناظرین، پھر تصنیف و مناظرہ میں بھی توزیع ہو۔ کوئی کسی فن پر کوئی کسی پر۔

(۵) ان میں جو تیار ہوتے جائیں۔ تنخواہیں دے کر ملک میں پھیلائے جائیں کہ تحریراً و تقریراً، وعظاً و مناظرۃً اشاعتِ دین ومذہب کریں۔

(۶) حمایت (مذہب) وردّ بدمذہباں میں مفید کتب ورسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔

(۷) تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوش خط چھاپ کر ملک میں مفت شائع کیے جائیں۔
(۸) شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں۔ آپ سرکوبیِ اعدا کے لیے اپنی فوجیں، میگزین رسالے بھیجتے رہیں۔
(۹) جو ہم میں قابلِ کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں، وظائف مقرر کر کے فارغ البال بنائے جائیں۔ اور جس کام میں انہیں مہارت ہو لگائے جائیں۔
(۱۰) آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں بقیمت و بلا قیمت روزانہ یا کم از کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔ (۲۱)

یہ پیغام اپنانے اور عمل کرنے کے لیے دیا گیا تھا۔ افسوس کہ ہم نے ان پر حتی الوسع عمل نہیں کیا۔ کیا عمل کا وقت نہیں آیا؟ کب تک سوتے رہیں گے؟ خوابِ غفلت سے جگانے والے نے تو جگا دیا تھا۔ بیدار کر دیا تھا۔ ہوش کی بات کہی تھی، مؤثر لائحۂ عمل دیا تھا۔ اس کو پیغام سنائے ایک صدی گزرنے کو آئی ؎

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو! جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

وقت کی اہمیت کو اب بھی پہچان لیں۔ دُشمنانِ اسلام تو اپنے مشن میں لگے ہی رہے۔ آگے بڑھتے ہی رہے۔ تمام باطل قوتیں سرگرمِ عمل رہیں۔ ہم جاگ گئے ہوتے تو ایک انقلاب برپا ہوا ہوتا۔ ایک صالح انقلاب جس کی آج اشد ضرورت ہے۔ جس کی بنیاد اسلام کے نظامِ علم پر ہے۔ امام احمد رضا کے پیغام کا ایک ایک نکتہ ایسا کہ ان پر عمل کر لیا جائے تو بہار ہی بہار، عروج ہی عروج اور اقبال ہی اقبال ہو۔ اس لیے کہ ان کی فکر میں گہرائی ہے، گیرائی ہے اور تعمق دقتِ نظر بھی۔

اساتذہ سے مدد لینا:

درس سے فراغت کے بعد بھی تجربہ کار استاذ کی مدد پیش آسکتی ہے۔ مثلاً طب سے متعلق استاذ سے رائے مشورہ کی ترغیب دیتے ہوئے مولانا عبدالعزیز بریلوی (رنگون) کے نام ایک مکتوب میں امام احمد رضا تحریر فرماتے ہیں:

''کسی استاذ شفیق نے تمہیں مجاز و ماذون کر دیا مگر میری رائے میں تم ہرگز ہرگز ہنوز مستقل تنہا گوارانہ کرو اور جب تک ممکن ہو مطب دیکھتے اور اصلاحیں لیتے رہو۔ میں نہیں کہتا کہ جداگانہ معالجہ کے لیے نہ بیٹھو۔ بیٹھو مگر اپنی رائے کو ہرگز رائے نہ سمجھو اور ذرا ذرا میں اساتذہ سے استعانت لو۔ رائے لینے

میں کسی چھوٹے بڑے سے عار نہ کرو۔ کوئی علم (میں) کامل نہیں ہوگا، جب تک آدمی بعد فراغ درس جس دن اپنے آپ کو عالم مستقل جانا اسی دن اس سے بڑھ کر کوئی جاہل نہیں۔'' (۲۲)

بچیوں کی تعلیم و تربیت:

امام احمد رضا بچیوں کی تعلیم کے سلسلے میں شرعی احکام کی پاس داری کو فوقیت دیتے ہیں۔ پردہ کی تاکید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''رہا پردہ اس میں استاذ و غیر استاذ، عالم و غیر عالم، پیر سب برابر ہیں۔ نو برس سے کم کی لڑکی کو پردہ کی حاجت نہیں اور جب پندرہ برس کی ہو سب غیر محارم سے پردہ واجب، اور نو برس سے پندرہ تک اگر آثار بلوغ ظاہر ہوں تو واجب اور نہ ظاہر ہوں تو مستحب، خصوصاً بارہ برس کے بعد بہت مؤکد کہ یہ زمانہ قرب بلوغ و کمال اشتہا کا ہے۔'' ۲۳

یوں ہی بچیوں کی ضروری دینی تعلیم و تربیت سے متعلق ایک سوال کے جواب میں متعدد ضابطے اور تربیتی نکات تحریر فرمائے جنہیں ترتیب وار درج کیا جاتا ہے:

(۱) عقائدِ اہلِ سُنّت و مسائلِ اہلِ سُنّت کی کتابیں پڑھائی جائیں، عقائد و مسائلِ ضروریہ کی تعلیم فرض ہے۔
(۲) حساب وغیرہ بعض مفید باتیں بھی سکھانے میں حرج نہیں۔
(۳) اصولِ حفظانِ صحت جہاں تک مسائلِ اسلامیہ کے خلاف نہ ہوں ان کی تعلیم میں مضائقہ نہیں اور جو مخالف ہیں بیماری اُڑ کر لگنے کے وسوسے، ان کی تعلیم جائز نہیں۔
(۴) تدبیر منزل بروجہ مطابق شرعی و حقوق شوہر و اولاد۔
(۵) مذمتِ کذب و غیبت و ضرورتِ پردہ و حجاب کی بھی تعلیم ہو۔ (۲۴)

قرآن مجید کی تعظیم و تعلیم:

بے پڑھے شخص سے یا نااہل سے قرآن مجید سیکھنا سخت مذموم ہے۔ آج کل ایسے شخص کو استاذ بنا دیا جاتا ہے جو قرآن سکھانے کا اہل نہیں، یا خود اس کی ادائیگی الفاظ درست و صحیح نہیں۔ صحتِ الفاظِ قرآن کے پاس و لحاظ سے متعلق امام احمد رضا فرماتے ہیں:

''قرآن مجید بے پڑھے کوئی شخص صحیح نہیں پڑھ سکتا، جس نے قرآن مجید نہ پڑھا اور

استادوں سے صحیح نہ کیا اُسے جائز نہیں کہ اَوروں کو پڑھائے، نہ لوگوں کو جائز ہے کہ اس سے پڑھیں یا اپنی اولاد کو اس سے پڑھوائیں، وہ سب گنہگار ہوتے ہیں۔'' (۲۵)

قرآن مجید پڑھنے کے لیے ادب واحترام چاہیے، اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ:

''جو معلم ایسا ہو کہ آپ اور اس کے یار دوست چار پائیوں اور کرسیوں پر بیٹھیں اور قرآن مجید نیچے زمین پر رکھا ہو اگر اس سے مراد حقیقۃً زمین پر رکھنا ہے اور وہ لوگ ایسا کرتے ہیں تو ان کے اسلام میں کلام ہے، مسلمان ہرگز ایسا نہ کرے گا، یہ وہی کرسکتا ہے جس کے دل میں قرآن مجید کی عزت اصلاً نہ ہو اور جس کے دل میں قرآن مجید کی اصلاً عزت نہ ہو وہ مسلمان نہیں، اور اگر یہ مراد ہے کہ پڑھنے والے لڑکے زمین پر بیٹھتے ہیں قرآن مجید رحل پر یا ان کے ہاتھوں یا گود میں ہے اور یہ معلم وغیرہ ان سے اونچے بیٹھتے ہیں تو جب بھی سخت بدکار، ناہنجار، فساق، فجار، مستحق عذابِ نار وغضبِ جبار ہیں۔'' (۲۶)

موجودہ دور میں ضرورت ہے کہ امام احمد رضا کے تعلیمی افکار ونظریات کو فروغ دیا جائے۔ آپ کے تعلیمی پیغام کو مسلمانوں میں عام کیا جائے، تجاویز پر عمل کی صورتیں وضع کی جائیں؛ تاکہ علم سے رغبت بڑھے، دینی علوم کا احترام قلب میں راسخ ہو اور عصری علوم کا حصول بھی دین کی مضبوط بنیادوں پر ہو تاکہ تمدنِ مغرب کی چکاچوند نگاہوں کو خیرہ نہ کرسکے اور حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت واُلفت کا سرمہ نگاہوں میں رچا بسا رہے۔ ؎

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ ونجف

حوالہ جات

(۱) احمد رضا خاں، امام، الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ، مشمولہ رسائل رضویہ، ادارہ اشاعت تصنیفات رضا بریلی، ترجمہ محمد احسان الحق قادری رضوی، مولانا، ص ۱۵۷

(۲) ایضاً، ص ۱۶۳

(۳) ایضاً، ص ۱۵۵

(۴) احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد ۲۳، مرکز اہلِ سُنّت برکات رضا پور بندر گجرات، ص ۶۴۷

(۵) ایضاً، ص ۵۳۳

(۶) ایضاً، ص ۷۰۶

(۷) ایضاً، ص ۷۰۹

(۸) شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، جلد ۳، دفتر سوم، اسلامک پبلشر دہلی، ص ۷۲

(۹) احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد ۲۳، مرکز اہلِ سُنّت برکات رضا پور بندر گجرات، ص ۶۲۸

(۱۰) ایضاً، ص ۶۳۸

(۱۱) محمد مصطفیٰ رضا خاں، مولانا، الملفوظ، حصہ اول، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۶ء، ص ۷۶

(۱۲) ملاحظہ فرمائیں: فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد ۲۳، مرکز اہلِ سُنّت برکات رضا پور بندر گجرات، ص ۶۳۹، ۶۸۲

(۱۳) ایضاً، ص ۷۰۱

(۱۴) ایضاً، ص ۷۰۷

(۱۵) احمد رضا خاں، امام، الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ، مشمولہ رسائل رضویہ، ادارہ اشاعت تصنیفات رضا بریلی، ترجمہ محمد احسان الحق قادری رضوی، مولانا، ص ۱۶۳

(۱۶) احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد ۲۳، مرکز اہلِ سُنّت برکات رضا پور بندر گجرات، ص ۷۱۴

(۱۷) ایضاً، ص ۶۹۴

(۱۸) احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ (قدیم) جلد ۱۲، رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۱۳۱

(۱۹) احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد ۲۳، مرکز اہلِ سُنّت برکات رضا پور بندر گجرات، ص ۷۱۶

(۲۰) ایضاً، ص ۶۸۲ / سورۃ التحریم: ۶

(۲۱) احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ (قدیم) جلد ۱۲، رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۱۳۳۔ ۱۳۴

(۲۲) غلام جابر شمس مصباحی، ڈاکٹر، کلیاتِ مکاتیبِ رضا، جلد ۲، دار العلوم صابریہ برکات رضا کلیر شریف، ص ۱۴۷۔ ۱۴۸

(۲۳) احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد ۲۳، مرکز اہلِ سُنّت برکات رضا پور بندر گجرات، ص ۶۳۹

(۲۴) ایضاً، ص ۶۸۷

(۲۵) ایضاً، ص ۶۸۸

(۲۶) ایضاً

☆☆☆

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی کتابیں علم وتحقیق کا مرقع اور مسلکِ سلفِ صالحین کی ترجمان ہیں۔ اِس لیے ان کی اشاعت دین کی تقویت اور عقائدِ اسلامی کے تحفظ کے لیے وقت کی اہم ضرورت ہے۔

ابدالِ وقت کے ایک واقعہ کی وجہ سے اعلیٰ حضرت پر کیے گئے

دیوبندی اعتراض کا جواب

میثم عباس قادری رضوی، لاہور

''کراماتِ اعلیٰ حضرت'' نامی کتاب میں اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت علامہ مولانا مفتی شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منسوب ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے، واقعہ کچھ یوں ہے:

''اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے خادمِ خاص حاجی کفایت اللہ صاحب بیان فرماتے ہیں: اعلیٰ حضرت بنارس تشریف لے گئے ایک دن دوپہر کو ایک جگہ دعوت تھی۔ میں ہم راہ تھا۔ واپسی میں تانگے والے سے فرمایا اس طرف فلاں مندر کے سامنے سے ہوتے ہوئے چل۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اعلیٰ حضرت بنارس کب تشریف لائے اور کیسے یہاں کی گلیوں سے واقف ہوئے۔ اس مندر کا نام کب سنا؟ اسی حیرت میں تھا کہ تانگہ مندر کے سامنے پہنچا دیکھا کہ ایک سادھو مندر سے نکلا اور تانگہ کی طرف دوڑا۔ آپ نے تانگہ رُکوا دیا۔ اس نے اعلیٰ حضرت کو ادب سے سلام کیا اور کان میں کچھ باتیں ہوئیں جو میری سمجھ سے باہر تھیں۔ پھر وہ سادھو مندر میں چلا گیا۔ ادھر تانگہ بھی چل پڑا۔ تب میں نے عرض کی: حضور! یہ کون تھا؟ فرمایا ''ابدالِ وقت'' عرض کی: مندر میں؟ فرمایا آم کھایئے، پتے نہ گنیے۔''

یہ واقعہ بعد ازاں ''امام احمد رضا اور تصوف'' (صفحہ ۹۸ مطبوعہ مصلح الدین پبلی کیشنز، کھارادر، کراچی) اور دیگر کتب میں بھی نقل کیا گیا۔

مفتی مجاہد دیوبندی نے اس واقعہ کی وجہ سے اعلیٰ حضرت پر اعتراض کرتے ہوئے اس کا عنوان ان الفاظ میں قائم کیا:

''احمد رضا کے ہندوؤں سے تعلقات''، ملاحظہ ہو کتاب ''ہدیۂ بریلویت'' صفحہ ۱۵۵ (مطبوعہ دارالنعیم، اردو بازار، لاہور) سوشل میڈیا پر بھی اس واقعہ کی بِنا پر دیوبندیوں کی جانب سے مختلف قسم کے فضول تبصرے کیے جاتے ہیں۔ اس لیے میں نے ضروری سمجھا کہ اس اعتراض کا مختصر جواب دے دوں تاکہ معترضین کے منہ بند ہو سکیں۔

مؤمنِ آلِ فرعون:

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَكْتُمُ اِیْمَانَهٗۤ (سورۂ مؤمن: ۲۸)

ترجمہ مولوی محمود حسن دیوبندی: ''اور بولا ایک مرد ایماندار فرعون کے لوگوں میں، جو چُھپاتا تھا اپنا ایمان۔''

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی نے لکھا: ''یعنی ایک مردِ مومن جس نے فرعون اور اُس کی قوم سے اپنا ایمان ابھی تک مخفی رکھا تھا۔'' سیدی اعلیٰ حضرت کے متعلق بیان کردہ واقعہ (بشرط صحتہا) میں سادھو کی شکل میں جو شخص اعلیٰ حضرت کو مِلا وہ بھی مؤمنِ آلِ فرعون کی طرح اپنا ایمان چھپاتا تھا اِسی لیے اس روپ کو اپنائے ہوئے تھا، وگرنہ اگر وہ معاذ اللہ مسلمان نہ ہوتا تو اعلیٰ حضرت کبھی بھی اس کو ''ابدالِ وقت'' نہ کہتے۔ اس اعتراض کے جواب میں اس سے زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں ہے، لیکن ذیل میں دیوبندیوں کے نزدیک مُسلّمہ کتب سے ''علاج بالمثل'' کے لیے کچھ اِلزامی جوابات بھی نقل کیے جاتے ہیں تاکہ دیوبندی معترضین کو مزید افاقہ ہو۔

مقامِ صدیقیت پر فائز مسلمان بادشاہ عیسائی کے روپ میں:

جس کتاب سے یہ واقعہ پیش کیا جا رہا ہے اس کے متعلق عرض کر دوں کہ اس کتاب کا ترجمہ مولوی اشرفعلی تھانوی دیوبندی کے کہنے پر کیا گیا، چنان چہ اس کے شروع میں ناشر محمد ذکی دیوبندی نے تھانوی صاحب کے ایک وعظ کا اقتباس نقل کیا ہے، جس میں تھانوی صاحب نے کہا:

''اہلِ محبت کے تذکرے دیکھا کرو، میں نے ایک کتاب ''روض الریاحین'' کا جس میں پانچ سو بزرگوں کی حکایتیں ہیں، اردو میں ترجمہ کرا دیا ہے پانچ سو وہ اور پانچ سو دوسری معتبر حکایتوں کا اضافہ کر کے اس کا لقب ''ہزار داستان'' رکھا ہے جو عنقریب چھپ جائے گی۔ میرا یقین ہے کہ جو شخص ساری کتاب اچھی طرح سمجھ کر دیکھے گا ضرور عاشق ہو جائے گا، آخر ایک ہزار عشاق کا تذکرہ دیکھنے سے کہاں تک اثر نہ ہوگا۔'' (نزہۃ البساتین، اردو ترجمہ روض الریاحین، صفحہ ۴، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، ادب منزل، پاکستان چوک، کراچی، مترجم مولوی جعفر علی نگینوی)

دیوبندی ناشر صاحب مزید لکھتے ہیں کہ (یہ کتاب):

''پاکستان میں دستیاب نہ تھی، لہٰذا اسے شائع کرنے کا حکم حضرت تھانویؒ کے خلیفۂ خاص مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے احقر کو دیا۔'' (نزہۃ البساتین، اردو ترجمہ روض الریاحین، صفحہ ۴، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، ادب منزل، پاکستان چوک، کراچی، مترجم مولوی جعفر علی نگینوی)

نوٹ: اس اقتباس میں دیوبندی علما کے ساتھ کلماتِ ترحیم اور القابات دیوبندی ناشر کی جانب سے لکھے گئے ہیں۔

پیش کیے گئے ان اقتباسات سے اس کتاب کی ثقاہت دیوبندی مذہب کے دوا کابر علما سے ثابت ہوگئی، اب واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

''شیخ مغادری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں چندسال تک جنگ کا شوقین رہا اور چندسال سیر وسیاحت کا حریص رہا، میں بعض کاموں کے سبب حکمائے کفار کے شہروں میں داخل ہوتا تھا اور پوشیدہ ہوجانا میرے اختیار میں تھا، اگر میں چاہتا تو وہ مجھے دیکھ سکتے تھے اور اگر نہیں چاہتا تھا تو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ایک بار حق تعالیٰ کا حکم ہوا کہ میں ان کے شہر میں داخل ہوجاؤں اور ایک صدیق سے ملاقات کروں، چنان چہ میں پہنچا اور اپنے آپ کو انہیں دکھایا، انہوں نے مجھے گرفتار کرلیا اور میرا گرفتار کرنے والا بہت خوش ہوا اور میری مشکیں باندھ کر بازار میں لے آیا تا کہ مجھے بیچے اور یہی طریقہ مجھے بھی مطلوب تھا جس کا مجھے حکم ہوا تھا، اس سے مجھے ایک معتبر آدمی سوار نے خریدا اور مجھے گرجا پر وقف کردیا تا کہ میں اس کی خدمت کیا کروں۔ میں ایک مدت تک اس کی خدمت کرتا رہا، ایک دن گرجا میں ان لوگوں نے بہت سے فرش بچھائے اور بَخُور جلایا اور بہت سی خوشبو کی گئی۔ میں نے کہا کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا بادشاہ کی عادت ہے کہ سال میں ایک بار گرجا میں آتا ہے اب اس کی زیارت کا وقت آگیا ہے، ہم اس کے واسطے تیاری کررہے ہیں اور گرجا کو خالی کردیتے ہیں۔ وہ تنہا ہی آکر اس میں عبادت کرتا ہے۔ جب انہوں نے دروازہ بند کردیا تو میں صرف وہاں رہا اور ان کی نظر سے چھپ گیا، وہ مجھے نہ دیکھ سکے۔ اتنے میں بادشاہ آگئے اور ان کے واسطے دروازہ کھولا گیا اور وہ تنہا داخل ہوئے اور دروازہ بند کردیا گیا۔ پھر وہ گرجا میں چاروں طرف تلاش کرتے پھرتے رہے، انہیں میں دیکھتا تھا اور وہ مجھے نہیں دیکھتے تھے، جب اطمینان کرلیا تو قربان گاہ میں پہنچے جو گرجا میں تھا اور قبلہ کی جانب منہ کرکے تکبیر کہی، اس وقت مجھ سے فرمایا گیا کہ یہ وہی ہیں جن سے ہم تمہیں ملانا چاہتے ہیں، چنان چہ میں ظاہر ہوکر ان کے پیچھے سلام پھیرنے تک کھڑا رہا، سلام پھیر کر انہوں نے میری طرف دیکھا، کہا تُو کون ہے؟ میں نے کہا! آپ جیسا مسلمان ہوں۔ فرمایا تمہیں یہاں کون چیز لے آئی؟ میں نے کہا آپ۔ اب وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور حال پوچھا۔ میں نے کہا کہ مجھے آپ سے ملنے کا حکم ہوا تھا اور اس کا کوئی طریقہ سمجھ میں نہ آیا۔ مگر اس صورت سے کہ

قید ہوکر بِکوں، اور وہ مجھے گرجا کا خادم بنادیں اور ہر موقعہ پر میں نے ان کو اپنے اوپر قادر کردیا تا کہ ملاقات حاصل ہوجائے، مجھ سے مل کر وہ بہت خوش ہوئے، میں نے ان کا حال کشف سے دیکھا، انہوں نے میرا حال دیکھا، میں نے انہیں درجۂ صدّیقین میں پایا۔ میں نے کہا آپ کی ان کفار کے درمیان باطنی حالت کیا ہوگی؟ فرمایا اے ابوالحجاج! مجھے ان کے درمیان بڑا نفع ہے اور مسلمانوں کے درمیان رہ کر ویسے فوائد نہیں حاصل ہوسکتے۔ میں نے کہا بیان فرمایئے۔ فرمایا کہ میرا توحید اور اسلام اور اعمال صرف اللہ ہی کے واسطے خالص ہیں، کسی کو اس کی اطلاع نہیں ہے اور حلال کھاتا ہوں جس میں کوئی شُبہہ نہیں ہے اور مسلمانوں کو نفع پہنچاتا ہوں اگر ان کا بڑا بادشاہ میں ہوتا تو بھی انہیں کفار سے بچا نہ سکتا۔ انہیں کفار کے شر سے بچاتا ہوں کوئی ان تک نہیں پہنچ سکتا اور کفار کے درمیان قتل وفساد ایسے ایسے کراتا ہوں کہ اگر مسلمانوں کا سب سے بڑا بادشاہ ہوتا تو بھی نہ کرسکتا۔ اِنْ شَاءَ اللہ میں عنقریب اپنے چند تصرفات تمہیں دکھاؤں گا، پھر ہم نے ایک دوسرے کو وداع کیا اور میں لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہوگیا اور بادشاہ نکل کر گرجا کے دروازہ پر جا بیٹھے اور کہا گرجا کے سارے مخصوص لوگوں کو حاضر کرو چنان چہ حاضر کرکے پیش کیے گئے اور کہا گیا یہ اس کے بطریق یعنی عالم ہیں، یہ شماس ہیں یعنی محافظ ہیں، یہ راہب ہیں، یہ ناظر او قاف ہیں۔ اور یہ اس کی جائیداد کا محصول وصول کرنے والا ہے۔ فرمایا! اس کی خدمت کون کرتا ہے؟ لوگوں نے اس شخص کو بتلایا جس نے مجھے خرید کر گرجا پر وقف کیا تھا اور کہا اس نے ایک قیدی کو خرید کر اس پر وقف کیا۔ اس پر بہت غصہ کا اظہار فرمایا اور کہا کیا تم سب کے سب خدا کے گھر کی خدمت سے متکبر ہوگئے اور ایک شخص کو جو غیر ملت کا نجس ہے اُس سے خدا کے گھر کی خدمت لیتے ہو اور تلوار لے کر اس کی آڑ میں کہ خدا کے گھر کو تم نے نجس کردیا، سب کی گردن ماری اور میرے احضار کا حکم کیا۔ میں ان پر ظاہر ہوگیا، انہوں نے مجھے پیش کیا، فرمایا یہ ایسے گرجا کا خادم ہے جس سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔ ان لوگوں کے تکبر کے مقابلہ میں تو یہ اس کا مستحق ہے کہ اس کو عزت وتعظیم اور خلعت وسواری دے کر اس کے وطن اور اہل کے پاس پہنچایا جاوے، چنان چہ ایسا ہی کیا گیا اور میں اپنے وطن لوٹ آیا۔''

(نزہۃ البساتین، اردو ترجمہ روض الریاحین، صفحہ ۴۶۹ تا ۴۷۱، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، ادب منزل، پاکستان چوک، کراچی، مترجم مولوی جعفر علی نگینوی)

معترض دیوبندی بتائیں کہ اس واقعہ میں خود کو عیسائی ظاہر کرنے والے مسلمان بادشاہ

کوبھی (جو مقامِ صدیقیت پر فائز تھا) عیسائیت کے ساتھ منسوب کر کے، ان کے خلاف زبانِ طعن دراز کریں گے؟ اگر نہیں تو صرف اعلیٰ حضرت ہی نشانہ کیوں؟ ''نزہۃ البساتین اردو ترجمہ روض الریاحین'' کو مولوی اشرفعلی تھانوی دیوبندی اور مفتی شفیع دیوبندی کی تائید حاصل ہے، اس لیے وہ بھی اس واقعہ کے تائید کنندہ قرار پاتے ہیں۔ اب دیکھتے ہیں کہ دیوبندی اپنے ان اکابر پر فتویٰ لگاتے ہیں یا حسبِ روایت زبان بند رکھتے ہیں۔

مولوی محمد حسن مؤلف ''کشف الاستار'' ہندو کے روپ میں:

دیوبندی مذہب کے مزعومہ حکیم الامت مولوی اشرفعلی تھانوی دیوبندی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:

''مولوی محمد حسن نے بڑی تلاش اور دُور دَراز پا پیادہ سفر اور ہندو فقیروں اور سادھوؤں کی صحبت اور خدمت میں ایک مرتاض کی حیثیت سے تادیر رہ کر معلوم کیا کہ ہندوؤں کے رشیوں نے اپنے ملفوظات میں دس اوتاروں کے آنے کا عقیدہ ظاہر کیا ہے۔''

(حقانیتِ اسلام غیر مسلم اقوام کی نظر میں، صفحہ ۱۰۶، مطبوعہ مکتبہ حکیم الامت، کمرشیل ایریا، ناظم آباد نمبر ۲، کراچی، طبع اگست ۲۰۰۸ء)

تھانوی صاحب نے اس اقتباس میں لکھا ہے کہ مولوی حسن صاحب ''ہندو فقیروں اور سادھوؤں کی صحبت اور خدمت میں ایک مرتاض'' یعنی ''ریاضت کرنے والے'' کی حیثیت سے رہے۔

تھانوی صاحب نے مزید لکھا ہے:

''مؤلف کشف الاستار مولوی محمد حسن نے (صورۃً) ہندو بن کر بنارس میں اور اجودھیا میں ایک زمانہ تک تحصیل علوم وید کی، اور بڑے بڑے پاک نفس برہمنوں اور خدا رسیدہ سادھوؤں کی صحبت حاصل کی۔ انہوں نے دیکھا اکثر جنگلوں اور پہاڑوں میں تارک الدنیا جوگی کسی بڑی ہستی اور کسی تعریف کی ہوئی ذات کی یاد میں بھجن گاتے اور اس کی جے مناتے۔''

(حقانیتِ اسلام غیر مسلم اقوام کی نظر میں، صفحہ ۱۰۸، مطبوعہ مکتبہ حکیم الامت، کمرشیل ایریا، ناظم آباد نمبر ۲، کراچی، طبع اگست ۲۰۰۸ء)

اس اقتباس میں دیوبندی حکیم الامت مولوی اشرفعلی تھانوی دیوبندی نے مولوی محمد حسن صاحب کے بارے میں یہ الفاظ واضح طور پر لکھے ہیں کہ ''وہ ہندو کی صورت میں'' برہمنوں اور سادھوؤں کی صحبت میں رہے۔ تھانوی صاحب نے ان سادھوؤں کے لیے ''خدا رسیدہ'' یعنی ''خدا تک پہنچے ہوئے'' جیسے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں اور ہندو کی صورت میں جوگیوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے

مولوی محمد حسن صاحب کا رد بھی نہیں کیا۔ اور دیوبندیوں کے امام مولوی سرفراز گکھڑوی نے لکھا ہے:

''جب کوئی مصنف کسی کا حوالہ اپنی تائید میں نقل کرتا ہے اور اس کے کسی حصہ سے اختلاف نہیں کرتا تو وہی مصنف کا نظریہ ہوتا ہے۔''

(تفریح الخواطر، صفحہ 79، مطبوعہ مکتبہ صفدریہ، نزد مدرسہ نصرۃ العلوم، گھنٹہ گھر، گوجرانوالہ)

اس اقتباس کی روشنی میں ثابت ہوا کہ تھانوی صاحب بھی مولوی محمد حسن صاحب کے ہندو کی صورت میں رہنے کو درست سمجھتے ہیں اسی لیے ان کا رد نہیں کیا۔ لیکن دوسری طرف تھانوی صاحب کے پیروکار دیوبندی اسی طرح کے ایک واقعہ کی وجہ سے اعلیٰ حضرت پر اعتراض کرتے ہیں، لہٰذا ان معترض دیوبندیوں سے گزارش ہے کہ ''روض الریاحین'' سے پیش کیے گئے واقعہ اور تھانوی صاحب کی اپنی کتاب سے پیش کیے گئے مذکورہ بالا دو اقتباسات کی وجہ سے تھانوی صاحب کے بارے میں بھی اسی طرح کا تبصرہ کیا جائے جو اعلیٰ حضرت کے متعلق کیا جاتا ہے۔

بابا گرونانک، حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے: مولوی رشید گنگوہی دیوبندی کا مؤقف:

دیوبندی مذہب کے ایک اور امام مولوی رشید گنگوہی دیوبندی کی مستند سوانح عمری سے دو اقتباسات ملاحظہ کریں، پہلے اقتباس میں لکھا ہے کہ گنگوہی صاحب نے سکھوں کے پیشوا بابا گرونانک کے بارے میں کہا:

''ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ شاہ نانک جن کو سکھ لوگ بہت مانتے ہیں، حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا میں سے ہیں، چوں کہ اہلِ جذب سے تھے اس وجہ سے ان کی حالت مشتبہ ہوگئی، مسلمانوں نے کچھ ان کی طرف توجہ نہ کی، سکھ اور دوسری قومیں کشف وکرامات دیکھ کر ان کو ماننے لگے۔'' (تذکرۃ الرشید، جلد ۲، صفحہ ۲۳۲، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور)

ایک بزرگ پوشیدہ ہو کر مندر میں تبلیغ کرتے تھے: مولوی رشید گنگوہی دیوبندی:

کچھ صفحات بعد مزید لکھا ہے کہ گنگوہی صاحب نے کہا:

''شاہ حکیم اللہ صاحب ایک بزرگ سہارنپور میں رہتے تھے، اُن کی خدمت میں ایک شخص بغرضِ سلام حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ حضرت میں حیدرآباد دکن کو جاتا ہوں، شاہ صاحب نے فرمایا اچھا جاؤ، حیدرآباد کے راستہ میں فلاں شہر پڑے گا اُس شہر کے متصل ایک جھڑی ہے اُس میں ایک بزرگ

رہتے ہیں، یہ اُن کا نام ہے، اُن سے ملنا اور میرا سلام کہنا'' یہ شخص رخصت ہو کے حیدرآباد روانہ ہوئے، شاہ صاحب کے ارشاد کے موافق جب جہڑی کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ایک مندر بنا ہوا ہے اس کی چار دیواری کے گرد بہت سے ہندو فقیر الگ الگ بُت ہاتھوں میں لئے پوجا کر رہے ہیں، یہ شخص بہت متحیر ہوا کہ یہاں یہ کیا قصہ ہو رہا ہے، آخر آگے بڑھا اور ایک ہندو فقیر سے پوچھا کہ اِس مندر میں کون رہتا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ ہمارا گرو رہتا ہے۔ انہوں نے نام پوچھا تو وہی تھا جو شاہ صاحب نے بتایا تھا، اِس شخص نے فقیر سے کہا کہ اپنے گرو کو اطلاع کر دو کہ ایک شخص شاہ حکیم اللہ سہارنپوری کا بھیجا ہوا اسلام کے لیے حاضر ہونا چاہتا ہے، ہندو فقیر نے جواب دیا کہ ہم لوگ تو وہاں تک پہنچ نہیں سکتے البتہ تمہارا پیام ڈیوڑھی کے فقیروں تک پہنچاتا ہوں وہاں سے سلسلہ بہ سلسلہ گرو جی تک پہنچ جائے گا۔ غرض اِس طرح پر جب پیام اندر پہنچا تو انہوں نے اِن مہمان مسافر کو اندر بُلا لیا، وہاں جا کر دیکھتے ہیں تو ایک بزرگ سفید ریش صاف سُتھرے چبوترہ پر بیٹھے قرآن شریف کی تلاوت کر رہے ہیں، جب فارغ ہو کر کلامِ مجید جزدان میں رکھ لیا، تو اُن کی طرف متوجہ ہوئے اور سلام وکلام ہوا، اِس شخص نے کہا کہ حضرت یہاں کے قصے نے تو مجھے حیران بنا دیا، باہر بُت پرست جوگیوں کا مجمع کیسا ہے؟ بزرگ نے فرمایا: میاں کیا پوچھتے ہو باہر جتنے لوگ معتقد بنے بیٹھے ہیں سب ہندو ہیں، اُن کو یہاں تک پہنچنے کی ممانعت ہے، جب کسی قدر اُن کی اصلاح ہو جائے گی تو ڈیوڑھی پر آجائیں گے اور پھر جب حالت زیادہ سنورے گی تو یہاں آجائیں گے، یہاں آکر مسلمان بنیں گے، چنان چہ یہ لوگ جن کو میرے پاس دیکھتے ہو بحمداللہ سب مسلمان ہیں اور جب مکمل ہو جائیں گے تو اِس سامنے والے دروازہ سے ان کو نکال دوں گا، اِس دروازہ سے باہر جانے والے لوگ پھر کبھی باہر کے لوگوں سے نہ ملیں گے، غرض یہی سلسلہ رہے گا یہاں تک کہ میرا وقت پورا ہو جائے، جتنے لوگ تم دیکھ رہے ہو، سب میں فرقِ مراتب ہے ہر ایک کو علیٰحدہ علیٰحدہ پڑھنے کے لیے بتایا گیا ہے اور ہر ایک کو دوسرے سے اپنا حال کہنے کی ممانعت ہے، اسی طرح بہتیرے خدا کے کافر بندے مسلمان بن کر یہاں سے روانہ ہوئے، اگر کھلم کھلا اسلام کی طرف ان لوگوں کو بُلایا جائے تو یہاں کے لوگ مسلمان کو قتل کر ڈالیں، میں بھی مارا جاؤں اور یہ بھی۔ اس لیے اسلام کی خدمت اور دین کی جانب ہدایت کا میں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے، اِس قصہ کے بعد حضرت امامِ ربانی نے ارشاد فرمایا، اسی طرح اکثر بزرگ پوشیدہ ہو کر خلقت کو راہِ ہدایت پر لاتے ہیں، اِسی طرح بابا نانک بھی مسلمان تھے اور پوشیدہ ہو کر ہدایت کرتے تھے۔''

(تذکرۃ الرشید، جلد ۲، صفحہ ۲۳۷، ۲۳۸، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور)

مولوی رشید گنگوہی دیوبندی کے بیان کردہ مذکورہ بالا دونوں اقتباسات سے گرونانک کا مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے، نیز منقولہ بالا دوسرے اقتباس میں مندر میں رہ کر ہندوؤں کو مسلمان کرنے والے بزرگ کے واقعہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ کچھ بزرگ غیر مسلموں کی ہدایت کے لیے ان کے احوال کے مناسب طریقہ اختیار کر لیتے ہیں۔ اس لیے اعلیٰ حضرت پر اعتراض کرنے والے دیوبندی پہلے اپنے گھر کی خبر لیں۔ وقت کی کمی اور مصروفیات کی کثرت کے سبب انتہائی عجلت میں اتنا ہی لکھ سکا ہوں، جو کہ غنیمت سمجھتا ہوں۔

۞۞۞

حضور مفتی اعظم کا جرأت مندانہ اقدام

''رب کریم نے ہر عہد میں دین کی حفاظت کے بے شمار ذرائع بنائے اور تا قیامت بناتا رہے گا۔ ابھی چند روز کی بات ہے ایمرجنسی کے دور میں ظالم وجابر حاکموں نے ظلم و جور کی حد کر دی اور خاندانی منصوبہ بندی کے غیر اسلامی نظریے کو منوانے کے لیے وہ ستم ڈھائے گئے کہ الامان والحفیظ۔ اس جور وستم کا نتیجہ یہ ہوا کہ علما کی زبانیں گونگی ہو گئیں بلکہ ابن الوقت حکومتِ وقت کی حمایت پر اُتر آئے۔ کرائے کے مفتی مسند افتا کی مٹی پلید کرنے لگے۔ ایسے خوف وہراس کے عالم میں خدا نے اپنا دین بچایا مفتی اعظم کے ذریعہ جنھوں نے اندیشۂ سود وزیاں سے بے نیاز ہو کر حکومتِ وقت کے خلاف فتویٰ دیا۔ اور ''سائیکلو اسٹائل'' کرا کے ملک کے گوشے گوشے میں روانہ کیا۔ چوں کہ دیگر جملہ ذرائع ابلاغ وترسیل پر گورنمنٹ کے آہنی پنجوں کا دباؤ تھا اس لیے ان کو اشاعت کا ذریعہ نہیں بنایا جا سکا۔

حضور مفتی اعظم کے جرأت مندانہ اقدام نے دین مصطفیٰ کو بچا لیا۔ جس سے دُنیا پر ظاہر ہو گیا کہ مصطفیٰ رضا خاں نام ہے دین محمدی کی حفاظت کے لیے خدائی انتخاب کا۔''

شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی الجیلانی

[جہانِ مفتی اعظم، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۲۳۰]

تحریک التوائے حج اور مفتی اعظم ہند

مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں جب، حجاز مقدس پر عبدالعزیز ابن سعود کا ناجائز تسلط ہوا، اور پھر اس کی جابرانہ حکومت کے ماتحت اہلِ حجاز پر بے باکانہ ظلم، باشندگانِ مکہ و مدینہ کے مال وجائداد پر غاصبانہ قبضہ، عفت مآب خواتین کی عزت وآبروریزی، علما و شرفا کے ساتھ نجدیوں کا وحشیانہ سلوک، کم زور مرد، عورت اور بچوں پر نجدی مظالم، مقاماتِ مقدسہ کی بے حرمتی، مساجد و مقابر کا انہدام، روضۂ اقدس اور کعبۂ مقدسہ کے تقدس کی پامالی، سرزمین حرم جہاں مچھر مارنے تک کی اجازت نہیں اس مقدس مقام پر خوں ریزی، حجاج کے جان و مال پر ڈکیتی، ارکانِ حج کی ادائیگی میں محال کی حد تک دشواری، منٰی و مزدلفہ میں ۱۰؍سے ۱۵؍ہزار حجاج کی بحالت پیاس شہادت کے ذریعہ تاریخ کربلا دہرانے کی ناپاک کوشش، اور اہلِ سنت کے عقائد و نظریات اور ان کے قدیم و موافق سلف مراسم کو مٹانے اور اپنے ناپاک عقائد و نظریات ان پر مسلط کرنے کی جابرانہ جدوجہد کی گئی نیز اس کے علاوہ بہت سی روح فرسا وارداتیں سامنے آئیں؛ تو حضور مفتی اعظم ہند سمیت ہندو پاک کے سبھی مفتیانِ کرام نے ابن سعود اور اس کی حکومت کے خلاف آوازِ حق بلند فرمائی اور اس کی فتنہ انگیزیوں، ریشہ دوانیوں، کا سر کچلنے کے لیے میدانِ عمل میں اُتر کر احقاقِ حق و ابطال باطل کا فریضہ ادا کیا۔ اور حالات پر قابو پانے کے لیے نیز حجاج کی جان و مال کی حفاظت کی غرض سے شرعی قانون کے مطابق التوائے حج کا اعلان کیا۔

یہاں ہم بتاتے چلیں کہ التوائے حج اسلام میں پہلی بار نہیں تھا؛ بلکہ اگر تاریخ کا جائزہ لیں تو حج کے فرض ہونے کے بعد سے بیسویں صدی تک کئی بار حج ملتوی کیا گیا۔ یہاں اجمالی طور پر التوائے حج کی مثالیں بیان کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

حج کی فرضیت اور التوائے حج

حج ایک مہتم بالشان عبادت ہے، ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر شریعت کی رو سے زندگی میں ایک بار حج فرض ہے۔

حج کب فرض ہوا؟ اس تعلق سے علما مختلف ہیں، بعض سن ۵ ہجری، بعض ۶ ہجری اور بعض ۹

ہجری بتاتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں سن ۶ ہجری کو جمہور کا قول قرار دیا ہے۔ امام نووی نے شرح مسلم میں، سن ۵ ہجری اور ۶ ہجری کو بمقابلہ ۹ ہجری کے ارجح قرار دیا ہے۔ البتہ صدرالافاضل نے خزائن العرفان اور صدرالشریعہ نے بہارِ شریعت میں سن ۹ ہجری کو راجح قول بتایا ہے۔

اگر ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سن ۱۰ ہجری میں حج ادا فرمایا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حج کی فرضیت سن ۵ ہجری مانیں تو ۵ سال اور ۶ ہجری ماننے کی بنیاد پر ۴ سال اور ۹ ہجری تسلیم کرنے پر ایک سال تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کو ملتوی کیوں رکھا۔ تو اس کے علما نے کئی جواب دیے ہیں جن میں ایک جواب:

لخوف المشرکین علی اھل المدینۃ وعلیٰ نفسہ،

یعنی اہلِ مدینہ اور اپنی جان پر مشرکوں کی طرف سے خطرہ کا اندیشہ ہونا، ہے، جیسا کہ درمختار اور شرح کنزالدقائق میں ہے۔

۳۲۲ھ سے ۳۲۷ھ تک قرامطہ کے فتنہ و فساد کے سبب علمائے بغداد نے التوائے حج کا حکم دیا تھا۔ تاریخ الخلفاء، بنایہ شرح ہدایہ، تبیین الحقائق وغیرھا کتب میں تفصیل موجود ہے۔ امام ابوالقاسم صفار نے قرامطہ کے ظہور کے زمانہ میں یہاں تک فرمادیا کہ میرے نزدیک بیس سال سے حج فرض ہی نہیں ہے، جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔ حضور مفتی اعظم نے اپنی کتاب "**تنویر الحجہ لمن یجوز التواء الحجۃ**" میں بہت سے حوالے اس تعلق سے بیان فرمائے ہیں؛ تفصیل وہیں سے جانیے۔

۱۲۱۹ھ میں جب حجازِ مقدس پر وہابیوں کا تسلط ہوا اور وہابیوں نے لوگوں کے جان و مال بلکہ ایمان پر شب خون مارنے کی کوشش کی تو مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ، مصر، شام، اور دیگر ممالک کے مسلمانوں نے حج کو ملتوی کیا، جس کی تفصیل مکہ معظّمہ کے مفتی شیخ سید احمد زینی دحلان کی کتاب 'تاریخ خلاصۃ الکلام فی امراء البلد الحرام' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

الغرض! تاریخ اسلام میں زمانۂ حج میں مسلمانوں کے غیر مامون و محفوظ ہونے کی بنیاد پر حج کی فرضیت کے سقوط اور التوائے حج کے جواز کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ ہم یہاں ان سارے واقعات سے قطع نظر صرف بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں علمائے اہلِ سنت کی طرف سے چلائی گئی تحریک التوائے حج کی اجمالی روداد بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

سب سے پہلے ہم حجازِ مقدس پر نجدی ستم کی چند مثالیں تاریخ کے حوالے سے پیش کریں گے۔ بعد میں التواے حج کی تفصیل، اور التواے حج کے خلاف اُٹھنے والے فتنوں کا ذکر۔ اور آخر میں علماے اہلِ سنت خاص کر حضور مفتی اعظم ہند پر کیے گئے چند اعتراضات کے جوابات قلم بند کریں گے۔

حجازِ مقدس میں نجدی ستم

امرت سر کے مشہور اخبار الفقیہ اور دیگر اردو اخبارات میں حجازِ مقدس میں نجدیوں کی وحشیانہ حرکتوں کی تفصیلی رپورٹ موجود ہے، البتہ یہ اوراق اس تفصیل کے متحمل نہیں ہیں، ہم یہاں بس دو چند نمایاں شخصیات کے بیانات پر اکتفا کرتے ہیں۔

اخبار الفقیہ میں حضور مفتی اعظم ہند کی ایک تفصیلی تحریر شائع ہوئی جس میں نجدی ظلم کا ذکر کیا گیا اور نجدی ہوا خواہوں کی خوب خبر گیری کی گئی ہے۔

حضور مفتی اعظم ہند فرماتے ہیں:

''وہابیہ نجدیہ اپنے کو حنبلی کہتے ہیں۔ مگر فقہا نے انہیں خارجی بتایا ہے۔ ان کا اعتقاد ہے کہ بس دنیا میں وہی مسلمان ہیں اور سب مشرک مباح القتل۔ انہوں نے حرمین طیبین میں علما اور سادات کو اپنے اسی عقیدے کی بنا پر شہید کیا ہے۔ اور ان کے مال لُوٹے ہیں۔ [کذا فی ردالمحتار]

اس وقت کے نجدی بدمذہبی و گم راہی اور ظلم و ستم اور قتل و غارت میں پہلے نجدیوں سے بدرجہا بڑھ گئے ہیں۔ اور ان سے اسلام اور مسلمانوں کو وہ ضرر پہنچ رہے ہیں جنہوں نے حجاج اور یزید کو بھی شرما دیا ہے۔ آج عرب کی سرزمین بے گناہوں کے خون سے رنگی ہوئی ہے۔ اور نجدی فراعنہ خذلہم اللہ تعالیٰ وہ طوفان برپا کر رہے ہیں جس کو سننے سے جگر شق ہوتا ہے۔ معتبر ذرائع سے پیہم جو خبریں موصول ہو رہی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نجدیوں کے داخلہ سے پہلے شریف طائف نے راہِ فرار اختیار کی اور طائف، شریف نے خالی کر دیا۔ باشندگانِ طائف نے نجدیوں سے مقابلہ نہ کیا۔ نہ ان میں اس کی قوت تھی۔ بلکہ انہوں نے امن کی درخواست کی۔ دعوتیں دیں۔ ہتھیار گھروں سے نکال نکال کر باہر پھینک دیے۔ تاکہ ان کی نسبت کسی قسم کے مقابلے کا وہم پیدا نہ ہو سکے۔ لیکن باوجود اس کے نجدیوں نے قتل عام کیا۔ علما و مشائخ، امرا و تاجر، ہر طبقہ کے لوگ بے دردی سے قتل کیے گئے۔ بوڑھوں، بچوں، عورتوں، مَردوں کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ ایک روز میں تین کروڑ روپے کی مالیت نجدیوں کو لوٹ سے حاصل ہوئی۔

صحابہ کے مزارات کی بے حرمتی کی گئی۔ حضرت عبداللہ بن عباس صحابی جلیل الشان کا قبہ مزار شریف گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ اور آخر کار مسمار کر دیا۔ اور توہین کے لیے نجدیوں نے پکارا کہ عبداللہ ابن عباس اگر تم میں کچھ سکت ہے تو اپنے پرستاروں کو بچاؤ۔ مسلمانوں کو قتل کرتے وقت یہ اشقیا نعرے لگاتے تھے: القتل اعداء اللہ لامان اللہ۔ ہم اللہ کے دُشمنوں کو قتل کرتے ہیں۔ اللہ کو امن دینے کے لیے۔

لوٹ کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگوں کے بدن سے کپڑے اُتار لیے، جوتیاں چھین لیں۔ عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔ عرب خاتونیں ننگی منزلوں پیادہ چلائی گئیں۔ تین روز تک طائف کے بے گناہ مسلمان قید کیے گئے۔

ان پر پانی بند کیا گیا۔ مکہ مکرمہ میں شیدی صاحب کلید بردار کعبۂ مقدسہ اور ان کا خاندان اور دوسرے اور معزز خاندان تیغ جفا سے شہید کر ڈالے۔ اہلِ مکہ جانوں کے اندیشے سے دشت بہ دشت مارے مارے پھر رہے تھے۔ مکہ مکرمہ کی اکثر آبادی تو گھر چھوڑ کر آوارہ ہو چکی تھی۔ باقی پنجۂ ظلم کے اسیر ہیں۔ اُن گرفتارانِ بلا کو قید سے آزاد کرنے کے لیے کثیر رقمیں طلب کی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کرم فرمائے اور جلد ان ظالموں کو ان کے ظلموں کی سزا دے۔ ہندوستان کے وہابی آپے سے باہر ہیں۔ علماے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ نے ان پر کفر کے فتوے دیے ہیں۔ انہیں مرتد بتایا ہے۔ انہیں اہلِ حرمین سے اس کے بدلے لینے ہیں۔ اس لیے یہاں کے وہابی، نجدیوں کے مظالم پر رات دن پردے ڈال رہے ہیں۔ اور اخبارات میں ان کی بے گناہی ثابت کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ اکثر اخبار وہابیوں کے ہاتھ میں ہیں اور وہ صحیح واقعات اور نجدیوں کے مظالم چھپانے سے گریز کرتے ہیں۔ اسی بنا پر ہماری طرف سے جو مضامین اخبارات کو پہنچتے رہے ان کو شائع نہیں کیا گیا۔ آپ خود اس باغی، غدار، بے دین، فرعونِ وقت کے انکار جرم کو اس کی بے گناہی کی سند ٹھہرا رہے ہیں۔ اور اس نجدی کی تائید کے لیے ہندوستان سے وفد بھیجنے کی تجویز کر رہے ہیں۔ مسلمان ہوشیار رہیں۔ ان کے دغا و فریب میں نہ آئیں۔ کوئی وفد جو اہلِ سنّت کے سوا دوسرے افراد پر مشتمل ہو ہندوستان کے مسلمانوں کا نائب و قائم مقام نہیں ہے۔ اور اخباروں کی غوغا صرف چند وہابیوں کی آواز ہے۔ ہندوستان کے کروڑوں مسلمان وہابیوں کے مظالم سُن کر بے چین ہیں۔ اور اگر نجدی اس وقت اس طرح کے مظالم نہ کرتے تو یہی مسلمانانِ عالم ان کے تسلّط کو ارضِ پاک میں ایک لمحہ کے لیے بھی گوارا نہ کر سکتے تھے۔ ان سے نفرت و بیزاری کے لیے ان کی بدمذہبی اور ان کے باطل عقیدے کافی ہیں۔ اور یہ مظالم تو ان کے عقیدے ہی کی بنا پر ہیں۔ آج نہ

کرتے تسلّط ہونے پر کرتے۔ ہندوستان کے گوشے گوشے سے نجدیوں کے خلاف صدائیں اُٹھ رہی ہیں اور خود شریعت کا فتویٰ ان کو باغی اور بے دین قرار دیتا ہے۔ تو پھر کون مسلمان ہے جو ان کی تائید کر سکے اور کس کی بات شریعت کے قابلِ التفات ہو سکے۔''

فقیر مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری عفی عنہ

[الفقیہ امرتسر، ۱۴؍دسمبر ۱۹۲۴ء، ص ۷، ۸]

حضور صدر الافاضل فرماتے ہیں:

''آہ! آج وہ حالات اس سرزمین مقدس میں اس بلد امین میں آرام گاہِ سید المرسلین (صلوات اللہ وسلامہ) رونما ہیں۔ نجدی وحشیوں کی وحشت و بربریت ظلم وستم جور و جفا بے رحمی وسفا کی بے حیائی و بے باکی سے آج وہ بلادِ طاہرہ برباد ہو رہے ہیں۔ وہاں کی مخلوق کو چین کی زندگی میسر نہیں ہے۔ امرا و رؤسا کے گھروں کے اسباب ان کی آنکھوں کے سامنے نیلام ہوتے ہیں۔ اور وہ بول نہیں سکتے ان کے یہاں فاقے ہیں وہ مصیبت سے دم توڑ رہے ہیں۔ اگر کسی بیرونی شخص نے انہیں کچھ دے دیا وہ بھی نجدی چھین لیتے ہیں۔ بات بات پر بلکہ بے بات مار پیٹ زدوکوب قتل وخون تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ آج باشندگانِ حرمین کے خون کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ دُنیا میں کوئی اس کا قصاص لینے والا نہیں۔ بے رحم درندے حکومت کر رہے ہیں، درندوں سے بھی جو وحشت و بدتمیزی نہیں ہو سکتی وہ نجدیوں کے ہاتھوں ہو رہی ہے۔ بہت سے علما، مشائخ، شرفا اپنے جان وایمان کو بچانے کے لیے بھاگ گئے ہیں۔ معلوم نہیں آوارگی انہیں کہاں اور کس حال میں لیے پھرتی ہے۔ بچے ماں اور باپ کو ترستے ہیں، ماں باپ کو اولاد کی خبر نہیں ہے۔ ستم کا وہ طوفان برپا ہے کہ شاید دُنیا کی آنکھوں نے کبھی نہ دیکھا ہو۔ طائف و مدینہ طیبہ و مکہ مکرمہ کی پاک ومقدس سرزمین کس سنگ دلی کے ساتھ روندی گئی ہے۔ مسلمانوں کو قتل کر کے ان کی لاشوں کو گھوڑوں اور گدھوں کے پاؤں میں باندھ کر گھسیٹا گیا ہے۔ ہر مومن ان مردم خوار وحشیوں کے عقیدے میں مشرک مباح الدم ہے۔ مسلمانوں کا قتل کرنا ان کے نزدیک بہترین عبادت ہے۔ اسی پر وہ اور ہندوستان کے نجدی انہیں غازی کہتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے اس سے بڑھ کر صدمہ روح فرسا اور کیا ہوگا۔'' [السواد الاعظم مراد آباد، رجب المرجب ۱۳۴۵ھ، ص ۱۳، ۱۴]

مولانا نثار احمد صاحب کان پوری مفتی جامع مسجد آگرہ ورکن وفد جمعیۃ العلماء اپنے بیان میں کہتے ہیں کہ: ''زیارت کی اجازت نہیں بلکہ ابن سعود کی طرف سے ممانعت ہے اس نے سرکاری

اخباروں میں یہ اعلان کر دیا کہ مآثر ومزارات کی زیارت کرنے والوں کو اگر میری فوج کی طرف سے کوئی نقصان پہنچے تو اس کی چارہ جوئی نہیں کی جاسکتی، نجدیوں نے رمی جمار اونٹوں پر بیٹھ کر کیا اور اونٹوں کو اس قدر زور سے بھگاتے تھے جس کے باعث حجاج کو سخت چوٹیں آئیں۔ ایک عورت بے ہوش ہوگئی دوسری کا انتقال ہو گیا۔'' [ہمدرد، ۲۴؍جولائی ۱۹۲۶ء، بحوالہ اخبار الفقیہ، ۲۱؍دسمبر ۱۹۲۶ء، ص ۷]

خواجہ محمد اکرم وخواجہ محمد اعظم رئیس لدھیانہ کا بیان ہے کہ:

''حاجیوں کے ساتھ بہت برا سلوک کیا جاتا ہے، ذرا ذرا سی بات پر نجدی حاجیوں کو زدو کوب کرتے تھے۔'' [انیس لدھیانہ، ۱۵؍جولائی ۱۹۲۶ء، بحوالہ ۲۱؍دسمبر ۱۹۲۶ء، ص ۸]

ہندوستان سے جو سیاسی وفد حجاز مقدس کے حالات کی تحقیق کی غرض سے گیا تھا اس میں سرو سرواں مولانا محمد علی صاحب تھے، انہوں نے حجاز سے وہاں کے حالات کی تحقیق کے تناظر میں ایک تفصیلی خط روانہ کیا تھا جسے الفقیہ میں شائع کیا گیا، البتہ دوسری اشاعت میں اس خط کا خلاصہ بھی شائع ہوا، ہم اسی خلاصہ کو پیش کرتے ہیں۔ اخبار لکھتا ہے:

''اس مکتوب میں مولانا نے واقعات سے ثابت کیا ہے کہ نجدی وحشی ہیں، بہائم ہیں، وحوش سے بدتر ہیں، عقائد کی جنگ حجاز میں جاری ہے، ابن سعود بندوبست نہ کر سکا تب مصریوں نے محمل پر حملہ ہونے کی وجہ سے نجدیوں پر گولی چلائی، پنجابی وہابی ابن سعود کے مجاہد بننا چاہتے ہیں، مقبرے اور مآثر گرا دیے گئے ہیں، مذہبی آزادی موجود نہیں، حرم میں روشنی نہیں ہوتی، حجر اسود کا چومنا مشکل ہے، حاجیوں کو نجدیوں نے اونٹوں کے پاؤں تلے روند کر شہید کیا، موتمر سے مولانا مایوس ہیں، رشید رضا ابن سعود کے زرخرید غلام ہیں اور مولانا محمد علی کی نظروں میں ابن سعود اس قابل بھی نہیں کہ اس کو جمہوریہ حجاز کا صدر بھی بنایا جائے۔'' [۲۸؍جولائی ۱۹۲۶ء، ص ۳، ۴]

تحریک التوائے حج کا مقصد

جب علمائے اہلِ سنت کے سامنے حجازِ مقدس پر مسلمانوں خاص کر حجاج کے جان، مال، عزت اور ایمان کے غیر مامون ومحفوظ ہونے کی متواتر شہادتیں موصول ہو چکیں تو سوائے اس کے اس سے نمٹنے کا اور کوئی چارہ نظر نہیں آیا کہ مسلمان اس زمانہ میں حج کو ملتوی رکھیں جیسا کہ حضور صدر الافاضل فرماتے ہیں:

''ان صدمات نے عالم اسلام کو درہم برہم کر دیا ہے اور دُنیائے اسلام اس مصیبت سے

خلاص حاصل کرنے کے لیے بے چین ہے۔لیکن دُشمن صاحبِ قوت ہے، اس کے پاس فوج بھی ہے، لشکر بھی ہے، سامانِ جنگ اور آلاتِ حرب بھی ہیں، اس کی مدافعت کے لیے بے دست و پا اور دور افتادہ مسلمانوں کے پاس کوئی کارگر حربہ نہیں ہے، مدتیں انہیں فکروں میں ہوگئیں مگر کوئی تدبیر ایسی ہاتھ نہ آئی جس سے اس ظالم کو دفع کیا جاسکے، آخر کار اہل الرائے کا اسی پر اتفاق ہوتا ہے کہ اس موذی کو دفع کرنے اور بلادِ طاہرہ کو اس کے شر سے محفوظ کر لینے کے لیے اگر کوئی تدبیر ہوسکتی ہے تو یہی کہ حاجی اس کے زمانۂ تسلط تک حج کو نہ جائیں۔حجاز میں نہ ولایت کی طرح کارخانے ہیں، نہ ہندوستان کی طرح زراعت ہے، حاجیوں ہی سے لوٹ کھسوٹ کر بے محابا ٹیکس لے کر اور طرح طرح سے ستا کر نجدی روپیہ وصول کرسکتا ہے، اگر حاجی نہ جائیں تو اس کے مصارف اس کو خود وہاں ٹھہرنا دُشوار کر دیں گے، ایسی صورت میں ہر ایک مسلمان اور سرزمین حجاز کی آزادی کا خواہان بدل وجان اس تدبیر پر عمل کرنے اور اپنے امکان تک سعی کرنے کے لیے تیار ہوگا۔'' [السوادالاعظم مرادآباد، رجب المرجب ۱۳۴۵ھ، ص ۱۴]

مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمہ نے رسالہ السوادالاعظم میں لکھا ہے:

''اس زمانہ میں علماے اسلام نے یہ تحریک کی تھی کہ حجاز واہلِ حجاز کو اہلِ نجد کے مظالم سے بچانے کی صرف یہی صورت ہوسکتی ہے کہ مسلمانانِ عالم کچھ زمانہ کے لیے حج کو ملتوی کریں۔تاکہ حکومتِ نجد کو قوت نہ پہنچے اور وہ حجاز چھوڑنے پر مجبور ہوں اور خطرہ کے وقت حج میں تاخیر کرنا شرعاً جائز ہے۔یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مسلمان اس تحریک پر کس حد تک عمل کرتے، کیوں کہ تحریک پر زیادہ زور بھی نہیں دیا گیا تھا۔''

[السوادالاعظم مرادآباد، رجب المرجب ۱۳۵۳ھ، ص ۷، ۸]

جناب ابو یوسف اصفہانی ناظم خدام الحرمین بمبئی اپنے ایک تار میں لکھتے ہیں:

''جمعیت خدام الحرمین کے زیرِ اہتمام مسٹر علی احمد خان صاحب دہلوی، بانی وزیرِ حکومت بمبئی کی زیرِ صدارت مسلمانانِ بمبئی کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔پھنوئی بازار کے ایک وسیع وکشادہ میدان میں جلسہ کا انعقاد ہوا۔جس میں قریب ہر طبقۂ خیال اور رائے کے دس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی اور مسٹر دہلوی کے فاضلانہ خطبہ سے مستفیض ہوئے۔فاضل صدر نے قرآن وحدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ حجاز میں جو فتنہ برپا ہے اس کا صرف یہی علاج ہے کہ حج کو ملتوی کر دیا جائے۔''

[۷ رجنوری، ۱۹۲۷ء، ص ۱۱]

مہاراجہ محمود آباد کے حوالے سے اخبار الفقیہ لکھتا ہے:

''مہاراجہ محمود آباد نے اس مسئلہ کے سیاسی پہلو ظاہر کرتے ہوئے مختلف دلائل سے حاضرین کے ذہن نشین کیا کہ ارضِ حجاز کو ابنِ سعود کے مظالم سے نجات دینے کے لیے صرف التواے حج ہی مسلمانانِ ہند کے پاس ایک ہتھیار ہے۔'' [۷ رجنوری ۱۹۲۷ء، ص ۱۱]

التواے حج کا اعلان

الغرض حجاز مقدس سے نجدی حکومت کو ختم کرنے یا کم سے کم اس کی طاقت کو کم کرنے کے لیے جب کوئی اور سبیل نظر نہیں آئی تو علماے اہلِ سنت نے التواے حج کا اعلان کر دیا۔حضور مفتی اعظم ہند فرماتے ہیں:

''جب یہ معلوم ہولیا تو ہم کہتے ہیں اور بجزم ویقین کہتے ہیں کہ آج جب کہ حجازِ مقدس میں ابن سعود منحوس ونا مسعود مخذول ومطرود ومردود اور اس کے ہم راہیان نامحمود کا نجس ورود ہے اور حسب بیان سائل فاضل ودیگر کثیر حضرات حجاج وافاضل امان مفقود ہے، فرضیت ساقط ہے یا ادا غیر لازم ہے کہ اللہ عزوجل نے حج اسی پر فرض فرمایا ہے جو استطاعت رکھتا ہو اور یہاں سرے سے استطاعت ہی نہیں..... کسی سے مخفی نہیں کہ نجس ابن سعود اور اس کی جماعت تمام مسلمانوں کو کافر ومشرک جانتی ہے اور ان کے اموال کو شیر مادر سمجھتی ہے، ان کا یہ عقیدہ خبیثہ اور ان کا قتل ونہب مسلمین کا عادی ہونا ہی مسلمانوں کے ان سے خوف ضرب، نہب وقتل وغارت کا کافی ذریعہ ہے۔اور اب جب کہ وہ سب ان خبثا نے کر کے دکھا دیا جس کی ان کے اس ملعون عقیدے سے قوی امید ہوسکتی تھی تو اب تو عدم امن پر تعین کامل ہوگیا، جب ظن غالب ہی سقوط فرضیت یا عدم لزوم ادا کے لیے کافی ہے کہ ظن غالب فقہیات میں ملحق بالیقین ہے.....'' [تنویر الحجۃ لمن یجوز التواء الحجۃ، ص ۹، ۱۰]

مزید فرماتے ہیں:

''تو یہاں سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر دفع شر اشرار لئام ناممکن ہو تو کسی کے نزدیک بھی اس وقت حج کرنا فرض نہیں رہتا۔اب ہر وہ شخص جس کے سر میں دماغ، دماغ میں عقل اور پہلو میں دل، اور دل میں ذرا سا انصاف، اور چہرے پر آنکھیں اور آنکھوں میں حق کی روشنی، کان اور کانوں میں قوت سمع موجود ہے، دیکھتا ہنستا سمجھتا اور اعتراف کرتا ہے کہ آج ان نجدیان نافرمان کے اس فتنے کی روک تھام حاجیوں سے ممکن نہیں تو کس طرح ان پر حج کرنا فرض ہوگا.....

گرامی برادران! یہ تو آفتاب نصف النہار کی طرح ہر ذی عقل پر روشن و آشکار ہو لیا کہ ان دنوں آپ پر حج فرض نہیں۔ یا ادا لازم نہیں، تاخیر روا ہے۔ اور یہ ہر مسلمان جانتا ہے اور اپنے سچے دل سے مانتا ہے کہ اس نجدی علیہ ما علیہ کے اخراج کی ہر ممکن سعی کرنا اس کا فرض ہے۔ اور یہ بھی ہر ذی عقل پر واضح ہے کہ اگر حجاج نہ جائیں تو اسے تارے نظر آجائیں۔ نجدی سخت نقصانِ عظیم اُٹھائیں۔ ان کے پاؤں اکھڑ جائیں۔ آپ کے ہاتھ میں اور کیا ہے یہی ایک تدبیر ہے جو ان شاء اللہ کارگر ہوگی۔ اب آپ ہی پر فیصلہ ہے کہ آپ کو کیا کرنا ہے.....حج کو جو مسلمان جائے گا حج کر لے گا حج تو ہو جائے گا، مگر ہر عاقل کے نزدیک طاعت ایسے طور پر کرنی چاہیے جس سے اللہ عزوجل راضی ہو، طاعت سے جو مقصود ہے وہ حاصل ہو۔ نہ یوں کہ معاذ اللہ معاصی پر شامل ہو۔

یہ تھا حق کا پیغام۔ آگے آپ جانیں اور آپ کا کام۔ والسلام خیر ختام

کتبہ عبدہ المذنب الفقیر مصطفٰی رضا محمد القادری البرکاتی النوری الرضوی البریلوی غفرلہ مولاہ العلی و القوی و حقق املہ واصلح عملہ بفیضہ العلی آمین۔" [تنویر الحجۃ لمن یجوز التواء الحجۃ، ص ۱۲، ۲۴، ۲۵] ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۴۵ھ

حضور صدر الافاضل فرماتے ہیں:

''ایک صاحبِ شوکت ان بلاد پر مسلط ہے اور مسلمانوں کا قتل اس کے عقیدے میں عبادت ہے، وہ تمام جہان کے مسلمانوں کو مشرک واجب القتل سمجھتا ہے اور مسلمان اس کا مقابلہ کرنے سے اپنے آپ کو عاجز پاتے ہیں، تو ایسی حالت میں غلبہ متحقق ہوا اور حج کی ادائیگی فی الفور لازم نہ رہی اور جب تک یہ فتنہ دفع ہو یا کوئی صورتِ امن واطمینان پیدا ہو حج کا التوا جائز ہوگا اور شریعت اس پر مطالبہ ومواخذہ نہ فرمائے گی، ایسی حالت میں جب کہ شریعت سے التوا کی اجازت ہے اور اس التوا سے دشمن کی قوت کم ہونے بلکہ اس کے قدم اکھڑ جانے کی امید ہے، یقیناً ہر مسلمان جو حرمین طیبین کی حمایت وحفاظت کا شیدائی ہے، حج کے التوا میں دُشمن کی طاقت کم کرنے کے لیے پوری سعی کرے گا۔'' [السواد الاعظم مراد آباد، رجب المرجب ۱۳۴۵ھ، ص ۱۴، ۱۵]

مولانا محمد عبدالحامد قادری، ناظم انجمن تبلیغ الاسلام ورکن جمعیت علما ہند لکھتے ہیں:

''اس وقت جو بحث ایک حقیقت ثانیہ کی صورت میں دائر ہے وہ ابن سعود کے انتہائی مظالم اور مناسکِ حج میں خلل اندازی اور پرخوف وخطر طرزِ عمل اور عالم اسلامی کے مسلمانوں کو مباح الدم،

مشرک، کافر سمجھنے کی ہے، جس کی بنا پر تحریک التوا و تاخیر حج شروع ہوئی ہے اور یہ ایک تاریخی وفقہی شہادت وحقیقت ہے، کہ بعض حالات میں حج کے ادا میں تاخیر والتوا کیا گیا اور کیا جا سکتا ہے۔ جب کہ مناسک وارکانِ حج میں خلل پڑتا ہو۔ اور حاجی کے لیے امن طریق وزادِ راہ اور جان کی خیریت اور سلامتی کا اطمینان نہ ہو اور مخالف قوت وباعثِ قوت وطاقت حاجی وزائر کے مقابلے سے زائد اور اس کے لیے موجب ہول وخطر ہو.....

مسلمانو! حب للہ پر غور کرو کہ اس وقت حاجیوں کے لیے مناسک ومعقولاتِ حج ادا کرنے میں بھی امن کہاں ہے، دیکھو اور رئیس الوفد کی مرتبہ رپورٹ پڑھو تو تم کو اور حقائق وکوائف بھی ایسے معلوم ہو جائیں گے جن کے علم کے بعد پھر مسئلہ صاف ہو جائے گا کہ نجدیوں کا عہد حجاز وحرمین کو پرخطر اور حج کے موسم کو بھی پرخوف بنا رہا ہے۔ اور نجدی عام طور پر ہم تم سب مسلمانوں کو کافر ومشرک کہتے سمجھتے ہیں۔ پھر وہ ہم کو حج وعبادت کیا کرنے دیں گے.....اور معمولی معمولی باتوں پر نجدیوں کی مار پیٹ اور اس قتل وموت کے واقعات کا ہونا، اس کے بعد خدارا سوچو، سمجھو کہ نجدیوں کے عہد میں بجز ہلاکت اور ٹیکسوں، رشوتوں، میں مال ضائع کرنے کے ہر قسم کی سختی تکلیف اُٹھانے کے حاجیوں کو اور کیا آرام ملتا ہے۔ پس صاف طور پر اعلان کر دو کہ اب قصد حج موخر وملتوی کر دینا ضروری ہے اور نجدیوں کے حجاز سے اخراج واستیصال کے لیے یہ حربہ استعمال کرنا حرمین وحجاز کی خدمت ہے۔'' [۷ جنوری ۱۹۲۷ء، ص ۱۱]

لکھنؤ میں مہاراجہ محمود آباد کی صدارت میں ہوئے جلسہ کی روداد بیان کرتے ہوئے التوائے حج سے متعلق اخبار لکھتا ہے:

''لکھنؤ ۲۹ نومبر جدہ کی ان موصول شدہ اطلاعات کی بنا پر کہ ابن سعود روضۃ الرسول کے ایک حصہ کو منہدم کرنے کا ارادہ رکھتا ہے کل مہاراجہ محمود آباد کے زیر صدارت ایک جلسۂ عام منعقد ہوا۔ مہاراجہ صاحب نے صدارتی تقریر میں بیان کیا کہ اگر ابن سعود نے اپنے ارادوں کو عمل کا جامہ پہنایا تو اس سے دُنیائے اسلام کو اس قدر سخت نقصان پہنچے گا جس کا تصور محال ہے۔ اور یہ دُنیائے اسلام کی شدید ترین توہین ہوگی.....جلسہ کے اختتام پر جناب مولانا قطب الدین عبدالوالی نے اہل سنت والجماعۃ کی طرف سے اور شمس العلماء مولانا ناصر حسین صاحب اہل التشیع کی طرف سے فتویٰ دیا کہ عارضی طور پر حج کو ملتوی کیا جائے۔'' [۱۴ دسمبر ۲۶ء، ص ۸]

ہند وپاک ہی نہیں بلکہ دیگر ممالک میں بھی التوائے حج کی تحریک اٹھائی گئی۔ جیسا کہ

اخبارالفقیہ نے لکھا ہے:

''علمائے کرام نے فتویٰ دیا ہے کہ جو حالات اس وقت حجاز میں رونما ہیں التوائے حج کی اجازت ہے۔ اور وہابیوں کے مظالم سے حجاز کو آزاد کرنے کا واحد ذریعہ ہمارے پاس التوائے حج ہی ہے۔ مختلف ذرائع سے اس تحریک حج کی تائید ہو رہی ہے، لہٰذا توقع کی جاتی ہے کہ امسال بہت ہی کم حاجی ہندوستان سے جائیں گے، مصر، شام، یمن، ایران اور جاوا، سے بیانات موصول ہوئے ہیں، جس میں التوائے حج کی تحریک کی تائید کی گئی ہے۔'' [۱۴؍دسمبر ۲۶ء، ص۹]

محرکین التوائے حج کے خلاف نجدی ہواخواہوں کی فتنہ انگیزیاں اور ان کا سدباب

التوائے حج کی تحریک کوئی ڈھکی چھپی سازش نہیں تھی، بلکہ ایک احتجاجی مہم تھی، جو کھل کر ہی کی جاسکتی تھی۔ اس کے بارے میں ہر حساس شخص واقف تھا، اسے معلوم تھا کہ ہندو پاک ہی نہیں بلکہ ملک شام، یمن، ایران، مصر، جاوا، اور دیگر ممالک سے بھی اس تحریک کو اُٹھایا گیا ہے۔ اور اس کا بنیادی مقصد حجازِ مقدس سے نجدی حکومت کے ناجائز قبضہ کو ہٹانا اور مسلمانوں کے ساتھ خاص کر حجاج کے ساتھ نجدی وحشیانہ سلوک کو روکنا تھا۔ یہ تحریک جہاں کامیابیوں کی طرف بڑھ رہی تھی، وہیں ابن سعود کے وفادار، بذلہ خوار، زر پرست، افراد اس تحریک کو ناکام کرنے کی ہر ممکن کوشش میں مصروف اور زبان وقلم سے تحریک التوائے حج کی مخالفت کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

حضور صدرالافاضل فرماتے ہیں:

''جب سے حج کے التوا کی گفتگوئیں ہندوستان میں ہوئی ہیں نجدیوں کو پریشانی لاحق ہوگئی ہے۔ ان کے ایجنٹ بھی ہندوستان آرہے ہیں اور ان کے ہندی ہواخواہ بھی دھوم مچا رہے ہیں، اور طرح طرح سے لوگوں کو ورغلاتے پھر رہے ہیں۔ لیکن برسوں تک نجدی کے افعال پر پردہ ڈالنے اور اس کے مظالم کو چھپانے اور اس کی ستم انگیزیوں کی تاویلیں گھڑنے اور خلق خدا کو دھوکا دینے کا یہ اثر ہے کہ اب وہابیوں کی تقریر تحریر فتویٰ کچھ مؤثر نہیں۔ اور مسلمان خوب اچھی طرح پہچان گئے ہیں کہ یہ وہی فریبی ہیں جو برسوں تک مسلمانوں کو دھوکا دیتے رہے اور حرمین طیبین کو انہوں نے اپنے پیر مغاں سے برباد کرا دیا۔ لہٰذا حامیانِ ابن سعود وہابیہ ہند خواہ وہ غیر مقلد ہوں یا دیوبندی اس باب میں کچھ بھی کہیں ان کی بات اصلاً قابلِ التفات نہیں، کہ نجدی کی حمایت کے واسطے ہر قسم کا دھوکا دینا ان کا شعار ہے، مسلمان آگاہ ہیں اور آگاہ رہیں۔'' [السوادالاعظم مرادآباد، رجب المرجب ۱۳۴۵ھ، ص۱۵]

نجدی ایجنٹ عوامی سطح پر یہ پروپیگنڈا کر رہے تھے کہ لیجیے اب ابن سعود کے مخالف علما نے حج جیسی عظیم عبادت سے لوگوں کو روکنے کا اعلان کر دیا۔ بلکہ اخبار زمین دار میں تو یہاں تک لکھ دیا گیا کہ، اب بریلوی علما (علمائے اہلِ سنت) بجائے کعبہ کے لندن جا کے طواف کریں۔ جس پر تنقید کرتے ہوئے اخبارالفقیہ نے لکھا تھا کہ:

''زمین دار کے بعض نامہ نگار شاعر علمائے بریلی ایدھم اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیتے ہوئے یہ حماقت بھی چھانٹتے ہیں کہ علمائے بریلی اب بجائے کعبہ کے لندن کا طواف کریں، یہ ضرورت سے زیادہ گروہ احمق اپنے آپ میں شرمندہ بھی نہیں ہوتا کہ یہ مسلک اور مذہب تو ان کے گروگھنٹال کا ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ ؎

بجائے کعبہ خدا آج کل ہے لندن میں
وہیں پہنچ کے ہم اس سے کلام کر لیں گے

علمائے بریلی کا تو یہ عقیدہ ہے کہ اگر خدانخواستہ بجائے شیاطین نجد جیسے شیاطین نجد جیسے مخفی کافروں کے کسی ظاہری کافر کی سلطنت بھی عرب میں ہو یا اگر شیاطین نجد علیہم ما علی الشیخ النجدی کعبہ مطہرہ کو مسمار بھی کر دیں تو ہمارا کعبہ وہ ارضِ مقدس ہے جس پر تعمیر کعبہ ہے تحت الثری سے ثریا تک۔ اس جگہ کی ہوا بھی کعبہ ہے، لندن جانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہاں تم لوگ واقعی ان دنوں میں لندن کا طواف کر چکے ہو جب کہ کعبہ مطہرہ پر شریف حسین کا تسلط تھا۔ وہی فریضہ حج جو آج نجدی ایجنٹوں کے نزدیک ضروری واجب الادا ہے ان دنوں واجب الترک تھا۔ چنان چہ اسی پر زور دیا جاتا تھا اس لیے کہ گروگھنٹال کا خدا لندن میں تھا، خدا بھی ان کا عجیب کھلونا ہے جو کئی سال تک تو لندن میں رہا اور اب جب کہ کعبہ مطہرہ پر اعداء اللہ واعداء الرسول قابض ہیں تو وہ پھر کعبہ میں آدھمکا۔'' [۱۴؍جولائی ۱۹۲۵ء، ص۵]

آخری بات

۱۹۲۶ء میں جب علمائے اہلِ سنت نے یہ تحریک چلائی تو مخالف جماعتوں نے پوری جماعت اہلِ سنت کے خلاف آواز اُٹھائی تھی، لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا علمائے اہلِ سنت کے ناموں میں کمی ہوتی چلی گئی اور جیسے ہی اکیسویں صدی شروع ہوئی مخالف جماعتوں نے تحریک التوائے حج کے جملہ محرکین، موئیدین، معاونین کے نام حذف کر کے صرف ایک نام باقی رکھا اور وہ نام ہے شہزادۂ حضور اعلیٰ حضرت مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ کا، مخالفین اپنی تحریروں، اپنی

تقریروں میں اب یہ باور کرانے کی کوشش میں مصروف ہیں کہ بریلی کے مفتی اعظم نے لوگوں کو حج جیسی عظیم عبادت سے روکا تھا۔اور حوالے میں حضور مفتی اعظم کی کتاب مستطاب ''تنویر الحجہ لمن یجوز التواء الحجۃ'' کو پیش کرتے ہیں۔

حالاں کہ التوائے حج کی تحریک میں مفتی اعظم ہند تنہا نہیں تھے، ان کے ساتھ علمائے اہلِ سنت کی اکثریت تھی۔جیسا کہ سابقہ اوراق میں ہم بیان کر آئے ہیں۔مزید شہادتیں اس دور کے اخبارات میں دیکھی جاسکتی ہیں۔تو کیا بات ہے کہ التوائے حج میں صرف اور صرف مفتی اعظم ہی مجرم قرار دیے جائیں، ہندو پاک اور دیگر ممالک کے مشاہیر پر کوئی حکم عائد نہ ہو۔

نیز حجاج کے غیر مامون ومحفوظ ہونے پر حج کو ملتوی کرنے کا حکم دینا اگر جرم اور گناہ ہے تو سن ۶ ہجری سے، ۱۲۱۹ھ تک متعدد بار حج کے ملتوی کرنے والوں کے خلاف کوئی آواز کیوں نہیں اٹھائی گئی؟

علاوہ ازیں کیا مخالفین کو یہ نہیں معلوم کہ جب حجاج کے جان ومال محفوظ نہ ہوں تو ان پر حج فرض نہیں ہوتا۔بالکل معلوم ہے اور مخالف جماعتوں کے پاس اس کے انکار کی کوئی سبیل بھی نہیں ہے۔کیوں کہ ان کی عام کتابوں میں بھی حج کے شرائط میں سے ایک شرط ''امن'' بھی لکھی ہوئی ہے۔

تو اگر اسی شرط کے مفقود ہونے کے سبب علمائے اہلِ سنت خاص کر مفتی اعظم ہند نے التوائے حج کا فتویٰ دیا تو کون سا جرم کیا؟

کیا بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں حجازِ مقدس پر خاص کر مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ پر نجدی ریشہ دوانیاں، قرامطہ اور وہابیہ کی سابقہ فتنہ انگیزیوں سے کم تھیں؟ ہرگز نہیں تو پھر کیا بات ہے؟ کہ سابقہ تحریکات سے قطع نظر اسی تحریک کی مخالفت کی گئی اور ماقبل تحریک کے محرکین کو نظر انداز کر کے صرف اور صرف مفتی اعظم ہند کو ہدفِ تنقید بنایا گیا۔

اگر یہ کہہ کر دامن چھڑانے کی کوشش کی جائے کہ سابقہ ادوار میں واقعی امن کی شرط مفقود تھی، اور اس دور میں امن تھا۔تو یہ سراسر جھوٹ اور تاریخ مسخ کرنے والی بات ہوگی۔کیوں کہ بیسویں صدی کے اوئل کی تاریخوں کے اخبارات مشاہد ہیں کہ کس طرح عبدالعزیز ابن سعود اور اس کے نجدی حواریوں نے حجازِ مقدس پر غاصبانہ قبضہ کیا، اور کس کس طرح اہلِ حجاز خاص کر اور عموماً حجاجِ کرام پر ظلم وستم کیے۔حجاج کا نہ مال محفوظ تھا نہ جان محفوظ تھی، حد تو یہ کہ ایمان بھی محفوظ نہیں تھا۔سابقہ اوراق میں اس کی چند جھلکیاں ہم پیش کر آئے ہیں۔

طرفہ تماشا یہ کہ اس تحریک سے تین سال قبل شریف حسین کے دور میں سیاسی سطح پر ہندوستان

سے التوائے حج کی تحریک چلائی گئی، حضور مفتی اعظم ہند نے ۱۳۴۲ھ میں ایک کتاب ''حجۃ واہرہ بوجوب الحجۃ الحاضرۃ'' کے ذریعہ اس کی زبردست تردید فرمائی۔اور خلاف شرع التوائے حج کا حکم دینے والے نام نہاد مفتیوں کے خلاف احکامِ شرع بیان کر کے ان کی اس تحریک کا سدباب فرمایا۔

لیکن مخالف جماعت نے اس کی مخالفت درکنار ذکر تک نہیں کیا، کیوں؟ اسی لیے تو کہ وہ انہیں کے مقصد کو پورا کر رہے تھے۔وہ شریف حسین کی مخالفت کر کے ابن سعود کا کام کر رہے تھے اور ان کو بھی ابن سعود کی اتباع کا شرف حاصل تھا۔

حضور مفتی اعظم ہند اس تعلق سے فرماتے ہیں:

''یہاں کے نجدیان بدلگام جو آج اس حال میں فرضیت حج یا لزوم ادا کی بانگ بے ہنگام محض نجدیت کے سبب اُٹھا رہے ہیں، خصوصاً بعض وہ جوز مین دار میں کالم کے کالم سیاہ کرا رہے ہیں اور ایڑی چوٹی کے زور لگائے جا رہے ہیں۔اور یوں اپنے آقائے نعمت ابن سعود کی نمک خواری کا حق ادا کرنا چاہتے ہیں۔ذرا یہ دیکھیں کہ نجدی بھی اس سے اختلاف نہیں کر سکتا کہ امن شرط فرضیت حج ہے۔ ورنہ آج سے پہلے کیا جتنے نجدی مر گئے اور اس لیے انھوں نے حج نہ کیے کہ مکہ معظّمہ، شریف حسین کے پاس تھا، کیا وہ اس کے نزدیک تارک فرض رہے۔اور مدتوں حج نہ کر کے فاسق و فاجر مرے۔اگر تمہارے نزدیک نجدیوں کے لیے ترکوں یا شریف حسین کے قبضے میں مکہ معظّمہ ہونا نجدیوں کو ان سے محض بدگمانی کی بنا پر خوف قتل ونہب ہونا ان سے فرضیت حج ساقط کرتا ہے، تو ہمارے لیے ظالم نجدی جس کے مظالم ظاہر وعالم آشکار ہیں ایسے مفتن کا وہاں ہونا کیوں عذر نہیں ہوسکتا۔وجہ فرق بتاؤ۔الحمدللہ یہ ان منھ زوروں کے منھ پر ایسا بھاری پتھر ہے، جس کے سبب گھٹ گھٹا کر رہ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ چاہے تو لب تک نہ ہلا سکیں گے۔'' [تنویر الحجۃ لمن یجوز التواء الحجۃ، ص ۲۳]

الحاصل! تحریک التوائے حج صرف مفتی اعظم یا علمائے اہلِ سنت ہی نہیں بلکہ پوری دُنیا کے مسلمانوں کی آواز کا نام تھا، جسے دبانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی مگر یہ رنگ لا کر ہی رہی، بھلے ہی نجدی حکومت کے خلاف کوئی خاص معرکہ سر نہ ہوا، البتہ یہ ضرور ہوا کہ حجاج اور اہلِ حجاز پر ظلم وستم پر روک تھام ہوگئی۔اور ان کے جان ومال، ایمان محفوظ ہوگئے۔اور رہے نمک خوارانِ ابن سعود جو مسلمانوں کے خلاف کل بھی اسی طرح پروپیگنڈا کرتے رہے اور آج بھی اپنی قدیم روش پر قائم رہتے ہوئے اہلِ سنت کی مخالفت کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔لیکن اہلِ سنت کل بھی سربلند رہے اور آج بھی سربلند ہیں۔اور آگے بھی سربلندی انہیں کا حصہ ہوگی۔ان شاءاللہ تعالیٰ۔ ◆◆◆

الملفوظ کا مقام اور مفتی اعظم

مولانا فیضان المصطفیٰ مصباحی
ہیوسٹن، امریکہ

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ العزیز (۱۸۵۶ء تا ۱۹۲۱ء؛ مطابق ۱۲۷۲ھ تا ۱۳۴۰ھ) نے پینسٹھ سالہ زندگی میں متعدد علومِ عقلیہ ونقلیہ کے جو جواہر آب دار لٹائے، اس سے برِصغیر میں علم وفن کی ایک نئی تاریخ وجود میں آ گئی۔ دُنیا میں بڑے بڑے عقلا اور دانش ور آئے، بڑے بڑے زبان آور اور ادیب پیدا ہوئے۔ ارضِ گیتی نے بڑے بڑے کشور کشا یانِ علم وفن کو اپنے دامن میں پروان چڑھایا۔ چشمِ فلک نے حکمت ودانائی اور فہم وفراست کے ان تاجوروں کو بھی دیکھا ہے؛ جو علم وفن کے پہاڑ تھے۔ مگر یہ کون ہے جو بریلی کی سرزمیں پر پیدا ہوا، وہیں پلا بڑھا، ۱۴ رسال کی عمر میں جملہ علومِ عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کی۔ تصنیف وتالیف اور فتویٰ نویسی کی طرف توجہ کی، علم وفن کے دریا بہائے، نادر تحقیقات کے اضافے فرمائے، زبان وادب کو نیا رُخ دیا، اسلامی فکر وفلسفہ کا معیار قائم کیا اور حقانیت کی علامت بن کر پوری علمی دُنیا پر پائے دار نقوش ثبت کر گیا۔ اور کیوں نہ ہو، جس کا عالم یہ ہو کہ اکابر اس کی علمی وجاہت پر رشک کریں۔ ہم عصر اور اصاغر محوِ حیرت واستعجاب رہیں۔ علمی جولانیت، فقہی تدبر، وسعتِ مطالعہ، بلندیِ فکر، بے مثال قوتِ حافظہ، زبردست قوتِ استدلال، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے فردِ واحد میں جمع کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اربابِ نظر نے انھیں اللہ کی نشانی کہا۔ ہم عصر علما نے انھیں رسول کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معجزہ قرار دیا۔ کسی نے مجدد اعظم کہا۔ کسی نے اعلیٰ حضرت کہا۔ کسی نے امام اہلِ سنت کہا۔

ذہن وفکر میں تخیلات نہیں نصوص کے سربستہ اسرار ڈھلتے تھے۔ دل میں عشقِ رسالت کا سمندر موج زَن رہتا تھا۔ نوکِ قلم سے تحریر نہیں علم وفن کے آبشار پھوٹتے تھے۔ زبان سے الفاظ نہیں، حکمت ودانائی کے پھول جھڑتے تھے۔ تحریر وقلم کے باقیات صالحات تو سیکڑوں ہیں، لیکن ارشادات وفرمودات کا یہی ایک گل دستہ ''الملفوظ'' پوری قوم کے لیے ایک تحفہ بھی ہے، ایک دستور العمل بھی۔ ایک پیغام بھی ہے اور ایک امانت بھی۔

امام احمد رضا کی تصنیفات تحقیق کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ دقیق مضامیں، استدلالی اندازِ بیان پر مشتمل تمام تصنیفات پوری دُنیا کے لیے عموماً اور اہلِ سنت کے لیے خصوصاً ایک اہم نصاب کی حیثیت رکھتی

ہیں۔ مگر کسی کو تنگیِ وقت کا گلہ ہے۔ تو کسی کو کثرتِ کار وافکار کا شکوہ۔ کسی پر مضامیں کی دقت بھاری، تو کوئی ذوقِ مطالعہ سے عاری، لیکن الملفوظ تو ہر ایک کے لیے تحفہ ہے۔ اس سے ہر شخص بہ آسانی اعلیٰ حضرت کے علمی وفکری فیوض سے بہرہ مند ہوسکتا ہے۔

ملفوظات کی تاریخی حیثیت:

ہر دور میں برگزیدہ شخصیتوں کے فرمودات اور پند ونصائح کو ان کے معتقدین نے آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ کرنے کی کوشش کی۔ کیوں کہ بزرگوں کے فرمودات بڑے معنی خیز اور مؤثر ہوتے ہیں۔ ان کے جملے دل کی گہرائی میں اُترتے ہیں اور دیر پا اثر چھوڑ جاتے ہیں۔ اگر چہ وہ بہ ظاہر ایک سادہ سا جملہ ہو جس کے اندر زیادہ معنویت بھی نہ ہو، مگر وہی جملہ اگر کسی اللہ والے کی زبان فیض ترجمان سے ادا ہو جائے تو قوم کی تقدیر بدلنے کے لیے کافی ہوتا ہے؛ کیوں کہ ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

صوفیہ وصالحین، سالکین وواصلین، اور عارفین ومقربین کو باختلافِ مراتب اللہ تعالیٰ نے بلند سے بلند تر مقام ومرتبہ سے نوازا ہے۔ یہ بندگانِ خدا اپنے مقام ومرتبے پر رہتے ہوئے نچلی سطح کی بات نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے کبھی کبھی ان کی بات عقل وفہم سے بالاتر ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کے ملفوظات وفرمودات ہی ان کے افکار ونظریات کے ترجمان ہوتے ہیں۔ لہٰذا قدرداں عقیدت مند افراد ان فرمودات سے آگاہی اور ان بلند افکار ونظریات سے آشنائی کے مشتاق ہوتے ہیں۔ اسی لیے بزرگوں سے قربت رکھنے والوں نے اپنے مرشد ومقتدیٰ کی تعلیمات کو آئندہ نسلوں میں منتقل کرنے کے لیے ان کے ملفوظات کو محفوظ رکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔

بزرگوں کے ملفوظات ان کے عہدے کے ترجمان ہوتے ہیں۔ ان سے بزرگوں کی زندگی گزارنے کے طریقے معلوم ہوتے ہیں، فکر وخیال کی دینی تربیت ہوتی ہے، شریعت کے آداب معلوم ہوتے ہیں، طریقت کے رموز واسرار واشگاف ہوتے ہیں، معرفت وحقیقت کی راہیں کھلتی ہیں۔ ایک جملے میں حقائق کا خزانہ سمو دینا عارفین کے لیے آسان سی بات ہے۔ اگر وہی جملے، وہی فرمودات جو بزرگوں کی زبان سے نکلے تھے صحیح طور پر ان کے مفہوم معلوم ہو جائیں تو ان کی روشنی میں تلاشِ حقیقت کا سفر آسان ہو جاتا ہے۔ زندگی کی اُلجھی ہوئی گتھیاں سلجھائی جاسکتی ہیں۔ حیات وکائنات کے لاینحل

مسائل حل کیے جا سکتے ہیں، انفس وآفاق کے حقیقی راز معلوم کیے جا سکتے ہیں۔ اسی اہمیت کے پیش نظر مشائخ اور صوفیۂ کرام کے ملفوظات کی ترتیب وتدوین کا سلسلہ چل پڑا جس کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال کی روایتوں کو ہم اس سلسلے کی اساس مان سکتے ہیں۔ تاہم احادیث کی مرکزی حیثیت تشریعی تھی جس کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کے ساتھ آپ کے افعال واعمال اور تقریرات کی بھی پورے اہتمام کے ساتھ روایت کی گئی۔ جب کہ ملفوظات کی حیثیت نصیحت ووصیت، پند وموعظت اور تصوف کے اسرار ورموز سے روشناس کرانے کی ہوتی ہے،

ملفوظات کا جو کچھ سرمایہ اس وقت ہمارے پاس محفوظ ہے اس میں زیادہ تر مشائخ اور صوفیۂ کرام کے ملفوظات ہیں۔ ان میں مبارک وگراں قدر ملفوظات کا جو سرمایہ محفوظ ہے اس کے پیشِ نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی ترتیب وتدوین کا آغاز چھٹی ساتویں صدی ہجری میں ہوا؛ جب حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ کے ارشادات ''فیہ مافیہ'' کے نام سے مرتب کیے گئے، جو ملفوظات کے سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ حالاں کہ ''امالی'' کی تدوین کا سلسلہ بہت قدیم ہے جو ملفوظات ہی کی ایک شکل ہے۔

تاریخی حیثیت سے خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ کے مرتب کردہ ملفوظات "انیس الارواح" برصغیر میں شائع ہونے والا ملفوظات کا پہلا مجموعہ ہے، جس میں حضرت خواجہ غریب نواز نے اپنے پیر ومرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ کے ملفوظات جمع فرمائے ہیں۔ اس کے بعد ترتیبِ ملفوظات کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ کے ملفوظات آپ کے خلیفۂ خاص حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے "دلیل العارفین" کے نام سے مرتب فرمائے۔ حضرت خواجہ قطب الاقطاب کے ملفوظات آپ کے خلیفۂ خاص حضرت بابا فرید گنج شکر نے "فوائد السالکین" کے نام سے مرتب فرمائے۔ حضرت بابا فرید گنج شکر کے ملفوظات آپ کے مرید ومحبِ خاص شیخ المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوبِ الٰہی نے "راحت القلوب" کے نام سے مرتب فرمائے۔ حضرت بابا فرید کے ملفوظات کا دوسرا مجموعہ "اسرار الاولیاء" کے نام سے خواجہ بدر اسحاق قدس سرہ نے مرتب فرمایا..... حضرت محبوبِ الٰہی قدس سرہ کے ملفوظات کو آپ کے مرید وخلیفہ حضرت امیر حسن علا سنجری نے "فوائد الفواد" کے نام سے ترتیب دیا۔ اور آپ کے ملفوظات کا ایک دوسرا مجموعہ "راحت المحبین" کے نام سے آپ کے مرید وخادمِ خاص خواجہ امیر

خسرو نے ترتیب دیا۔ خواجہ محبوبِ الٰہی کے مرید وخلیفہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہ کے ملفوظات "مفتاح العاشقین" کے نام سے آپ کے مرید خواجہ محب اللہ نے ترتیب دیا۔ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلیفہ حضرت بندہ نواز گیسو دراز جو گلبرگہ میں آسودۂ خاک ہیں؛ ان کے ملفوظات "جوامع الکلم" کے نام سے مقبولِ انام ہو چکے ہیں۔ سلسلۂ چشتیہ کے ایک اور بزرگ حضرت مخدوم جہانگیر اشرف سمنانی قدس سرہ السامی کے ملفوظات "لطائفِ اشرفی" کے نام سے کافی مقبولیت حاصل کر چکے ہیں، جنھیں ان کے مرید حضرت نظام الدین یمنی ملقب نظام صاحبی الیمنی نے ترتیب دیا ہے۔

خواجہ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ (متوفی ۷۸۲ھ) کے گراں مایہ ملفوظات "معدن المعانی" کے نام سے خواجہ زین بدر عربی نے مرتب فرمائے۔

یہ وہ ملفوظات ہیں جو کافی مقبول ومشہور ہو چکے ہیں۔

متاخرین میں حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ کے ملفوظات تمام ملفوظات میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، جو اس وقت ہمارا موضوع ہے۔ غرض یہ کہ ہمارے پاس ملفوظات کا وہ عظیم سرمایہ ہے جس سے دوسری قومیں محروم ہیں۔ جو ہمارے لیے حقائق کا گنجینہ، شریعت وطریقت کے سربستہ رموز واسرار کا بیش بہا خزانہ اور مذہبی زندگی کے لیے دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے۔

الملفوظ کا علمی مقام اور اہمیت:

امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز کے ملفوظات کا مجموعہ ''الملفوظ'' جس کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ کے شہزادے مفتیِ اعظم ہند حضور مصطفیٰ رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز نے مرتب فرمایا ہے۔(۱)۔ ملفوظات کے سرمائے میں بڑی اہمیت کا حامل اور اہم ترین اضافہ ہے۔ ملفوظات کا جتنا سرمایہ ہمارے پاس موجود ہے؛ اس میں تصوف اور طریقت ومعرفت سے متعلق مواد زیادہ ہے، مگر اس باب میں الملفوظ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس میں طریقت ومعرفت کے آداب اور تصوف وسلوک کے رموز واسرار کے ساتھ ساتھ شریعت کی بھرپور تعلیمات بھی موجود ہیں۔ اس میں جا بجا اُصولی وفروعی مسائل میں نقلی دلائل کے ساتھ عقلی دلائل بھی پیش کیے گئے ہیں۔ جا بجا بزرگوں کے واقعات وحکایات، ذاتی تجربات ومشاہدات اور اہم معلومات درج ہیں۔ بہت سارے ان پیچیدہ سوالات کے جوابات ہیں جو علوم وفنون سے اشتغال رکھنے والوں کے ذہن میں پیدا ہوتے رہتے

ہیں۔ ''الملفوظ'' عامۃ المسلمین کے لیے بھی نفع بخش اور دل چسپ ہے اور خواص کے لیے بھی علمی و دینی ذوق وطلب کی تسکین کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ الملفوظ میں علمِ قرآن وتفسیر بھی ہے اور علمِ حدیث بھی، فقہ وفتاویٰ بھی ہیں اور عقائد وکلام کے مسائل بھی، اسلامی فلسفہ وسائنس کے نظریات بھی ہیں اور تصوف و طریقت کی تعلیمات بھی، اکابرِ ملت اور اسلافِ اُمت کے واقعات بھی ہیں اور نئی نسلوں کے لیے پند و موعظت بھی، جا بجا طبیعیات و الٰہیات کی بھی بحثیں ہیں؛ غرض کہ حضور مفتیِ اعظم ہند نے حضور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ سے علم وادب کے گراں قدر موتیوں کو چن چن کر ایک ہار بنایا اور قوم کے گلے میں ڈال دیا، یا حکمت وتدبر کے رنگا رنگ پھولوں کا ایک گلدستہ سجا کر نئی نسل کو پیش کیا ہے۔

الملفوظ کی ثقاہت:

ملفوظات کی ثقاہت کا دارو مدار تمام تر راوی کی ثقاہت پر ہے۔ اگر راوی ثقہ ہے تو اس کی روایت بھی مستند اور معتمد مانی جاتی ہے اور راوی کی ثقاہت مشکوک ہو تو روایت کی اعتباریت اسی حیثیت سے گھٹتی جاتی ہے۔ ظاہر ہے حضور مفتیِ اعظم ہند قدس سرہ (مرتب الملفوظ) کی ثقاہت میں کس کو شک ہو سکتا ہے۔ ان کا زہد وتقویٰ اور دیانت داری ایک مسلّم اَمر ہے۔ نیز ان کی علمی وجاہت، دقیقہ سنجی، نکتہ رسی، ژرف نگاہی، وسعتِ مطالعہ اور زبردست قوتِ حافظہ کی پوری قوم معترف ہے۔ لہٰذا حضور مفتیِ اعظم ہند قدس سرہ کی مرتب الملفوظ میں شک کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ یہ اعتماد و استناد کے بلند درجہ پر فائز ہے۔ لیکن بعد میں حضور مفتیِ اعظم کی مرتبہ الملفوظ کی جن لوگوں نے نقلیں لیں اور پھر ان نقلوں سے بعد والوں نے کتابت کروائی اس میں کتابت کی بہت سی غلطیاں در آئیں۔ جن میں یا تو احتیاط سے کام نہیں لیا گیا یا غلطیوں کی اصلاح پر توجہ نہیں ہوئی۔

ایک پرانے نسخے میں بعض مقامات پر حواشی سے؛ ناقل سے سہو اور عبارت چھوٹ جانے کا واضح اشارہ ملتا ہے۔ مثلاً رضوی کتب خانہ، بہاری پور بریلی سے شائع ہونے والے نسخے میں ایک جگہ حاشیہ پر ہے۔

یہاں بھی عبارت میں سقط معلوم ہوتا ہے، اصل ندارد ہوگئی۔

(حاشیہ ص: ۷۰/ چہارم مطبوعہ رضوی کتب خانہ، بہاری پور بریلی)

چہارم صفحہ ۶۷/ کی اس عبارت پر:

''ہر عاقل کے نزدیک اس کا جواب نفی میں ہوگا اور اس کا جواب معاذ اللہ اثبات میں ہوگا کہ

ہزاروں سے زائد خالق خدا کے سوا موجود ہیں جو اپنے افعال کے خود خالق ہیں، معاذ اللہ۔''

یہاں یہ حاشیہ درج ہے:

''تناقص ہو اور تناقص عیب اور اللہ عزوجل ہر عیب سے پاک، تو غالباً یہاں یہ اور عبارت ہے جو ناقل سے رہ گئی، اصل باقی نہ رہی۔''

نیز چہارم ص ۶۶/ پر اس عبارت پر ''تھا اور ہے اور رہے گا'' یہ سب زمانے پر دلالت کرتے ہیں اور وہ زمانے سے پاک؛ حاشیہ میں یہ درج ہے۔

''یہاں کچھ اور عبارت معلوم ہوتی ہے، اصل باقی نہیں، ناقل صاحب نے جو نقل کی اس میں کچھ چھوڑ دیا، اصل دیمک نے ختم کردی'' (ایضاً، ص ۶۶)(۲)

اس سے اندازہ ہوا کہ امام احمد رضا کے ملفوظات کے ساتھ وہ اعتنا نہیں کیا گیا جو ہونا چاہیے تھا۔ اس سے یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ جو غلطیاں در آئیں ان سے صاحبِ ملفوظات کا کوئی تعلق نہیں۔

حضور مفتی اعظم کی بارگاہ کے بعض فیض یافتہ علما سے احقر نے سنا کہ حضور مفتیِ اعظم بعد والے نسخوں میں نقل وکتابت کی غلطیوں پر ناراضی ظاہر فرماتے تھے۔ اور فرماتے کہ نہ جانے کیسے چھپوا دیا ہے۔(۳)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعد میں چھپوانے والوں نے احتیاط سے کام نہیں لیا۔ جس کی وجہ سے اب تک چھپنے والے نسخوں میں کتابت کی غلطیاں رہ گئیں۔

متعدد نسخوں سے مقابلے کے بعد راقم کو شدید احساس ہوا کہ بعد والوں نے الملفوظ میں کہیں کہیں تصرف بھی کیا ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے۔

ایک بار عبدالرحمٰن قاری کہ کافر تھا اپنے ہم راہیوں کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں پر آ پڑا چرانے والے کو قتل کیا اور اونٹ لے گیا۔ اسے قراءت سے قاری نہ سمجھ لیں بلکہ بنی قارہ سے تھا۔ (حصہ دوم، صفحہ ۴۷، سطر ۸)

خط کشیدہ عبارت نہ اعلیٰ حضرت کا ارشاد ہے نہ حضور مفتیِ اعظم کی توضیح، بلکہ یہ سراسر کسی کا تصرف ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آگے جو تفصیلی واقعہ اعلیٰ حضرت نے بیان فرمایا ہے وہ مشکوٰۃ شریف میں صفحہ ۳۴۸/ پر اجمالاً اور مسلم شریف ثانی ص ۱۱۴/ پر تفصیلاً موجود ہے۔ جس میں ''عبدالرحمٰن فزاری'' درج ہے نہ کہ ''عبدالرحمٰن قاری''، کتابت یا نقل کی غلطی سے ''فزاری''، ''قاری'' ہوگیا۔ قاری چوں کہ قرآن کا

علم رکھنے والے کو کہا جاتا ہے۔ اور ایک کافر پر اس کا اطلاق غیر موزوں محسوس ہوا، اس لیے ناقل کو خط کشیدہ عبارت بڑھانی پڑی، صاحبِ ملفوظ اس سے بری ہیں۔ اس توضیح کے بعد اس کے متعلق مخالفین کا اعتراض بے جا اور بے محل ہو گیا جس کے جواب کی کوئی ضرورت نہیں۔

نیز حصہ اول ص ۶۴ پر اہرامِ مصر کی تعمیر کے بارے میں ہے:

''حضرت آدم علیہ السلام سے چودہ ہزار برس پہلے کی تعمیر ہے۔''

خط کشیدہ عبارت یا تو اضافہ ہے یا اس مقام پر کچھ عبارت حذف ہو گئی ہے۔ کیوں کہ آگے کی تفصیلات ''آدم علیہ السلام'' کی تخلیق سے چھ ہزار برس پہلے کی تعمیر ثابت کر رہی ہیں، نہ کہ چودہ ہزار برس پہلے کی۔ لہٰذا عبارت یوں ہونا چاہیے: ''آج سے چودہ ہزار برس پہلے کی تعمیر ہے۔'' یا صرف ''چودہ ہزار پہلے کی تعمیر ہے۔'' تفصیلات اسی مقام پر ملاحظہ کی جاسکتی ہیں ۔

اس طرح کے تصرف کی اور مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں۔

مخالفین کے اعتراضات:

جب سے امام احمد رضا بریلوی نے علمائے دیوبند کی تحریروں سے ان کے باطل عقائد کی نقاب کشائی فرمائی اسی وقت سے علمائے دیوبند اور ان کے پیروکاروں نے امام احمد رضا قدس سرہ کی طرف منسوب کتابوں میں نقائص تلاش کرنے شروع کر دیے۔ ان کی تصنیفات میں کوئی نقص نکال کر ثابت کرنا آسان نہ تھا، لہٰذا انھوں نے مجموعۂ ملفوظات کو اپنی عیب جوئی اور تنقید کا خاص نشانہ بنایا۔ ہر چند کہ اعلیٰ حضرت بات پورے وثوق واعتماد سے ہی فرماتے تھے اور مفتیِ اعظم کی روایت ودرایت پر بھی کسی قسم کا شبہہ نہیں کیا جاسکتا، تاہم مختلف جہتوں سے جائزہ لیا جائے تو استناد واعتماد میں تصنیف وتحریر کے مقابلے میں ملفوظات کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ الملفوظ کا سالِ تالیف ۱۳۳۸ھ ہے اور سالِ اشاعت معلوم نہیں۔ ۱۳۴۰ھ میں اعلیٰ حضرت کا وصال ہو گیا، مولانا شہاب الدین نے اپنے مضمون ''الملفوظ کا مقام ومرتبہ'' میں لکھا ہے کہ: ''الملفوظ کے بعض حصے اس وقت کے بعض رسائل مثلاً تحفۂ حنفیہ اور ''ماہ نامہ الرضا'' وغیرہ میں قسط وار شائع ہوتے رہے۔'' پھر بعد میں انھیں مکمل کتابت کر کے شائع کیا گیا، جس میں قلت احتیاط کا شکوہ بے جا نہیں۔ نیز نسخوں سے نسخے نقل اور کتابت کیے جاتے رہے، لہٰذا کتابت کی غلطیاں بجائے کم ہونے کے جدید نسخوں میں بڑھتی رہیں۔ نتیجۃً مخالفین کو زبان درازی کا موقع مل گیا۔

الملفوظ کی عبارتوں پر مخالفین کے بہت سارے اعتراضات سامنے آئے ہیں۔ جن میں کچھ کا جواب ضمیمہ کے طور پر ایک ایڈیشن کے آخر میں شامل ہے جس کے بارے میں واضح نہ ہو سکا کہ کس کی کوشش ہے۔ کچھ کا جواب شارح بخاری مفتی شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ نے دیا جو ''التحقیقات'' اور مختلف مضامین میں شائع ہوئے۔ اور بھی لوگوں نے جوابات دیے ہیں۔

دراصل اعلیٰ حضرت کے ملفوظات پر اعتراض کر کے مخالفین کا مقصد یہ ہے کہ اہلِ سنّت کو دفاعی پوزیشن میں رکھا جائے۔ اس کا تحقیقی جواب دینے کے بجائے الزامی جواب کافی ہے، کیوں کہ عام طور پر معترض کم علم اور کوتاہ فہم لوگ ہی ہوتے ہیں۔ ورنہ بے جا اعتراض تو کسی کی عبارت پر کیا جاسکتا ہے۔ اعتراض کرنے والے قرآن پر بھی اعتراض کر رہے ہیں۔ لیکن ہر مکتبِ فکر میں سنجیدہ طبقہ ضرور ہوتا ہے جو اس رائے سے اتفاق کرے گا کہ کوئی متبحر عالم کچھ بیان کر رہا ہے تو وہ بات بے بنیاد نہیں ہوگی، یہ اور بات ہے کہ اوروں کی رسائی وہاں تک نہ ہو سکے۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ عدم وجدان وجدان عدم نہیں۔ محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: کوئی حدیث اگر نہیں مل رہی ہے تو یہ نہ کہے کہ یہ حدیث نہیں، بلکہ اپنی لاعلمی ظاہر کرے، کیوں کہ حدیث کی تقریباً ساڑھے تین سو کتابیں ہیں۔ امام ابن ھمام نے بھی فتح القدیر میں مختلف مقامات پر یہ افادہ فرمایا ہے۔ آج کے لوگوں کا حال یہ ہے کہ دس بارہ متداول کتب حدیث میں دیکھ لیا، نہیں ملی تو انکار کر دیا۔ یہ سخت جرأت ہے، اس سے پرہیز چاہیے۔ علم حدیث میں اعلیٰ حضرت کی وسعتِ مطالعہ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی تصنیفات وفتاویٰ میں درج کی گئی احادیث کا مجموعہ تیار کیا گیا ہے۔ جو مولانا محمد حنیف صاحب کی انتھک کوششوں سے تخریجات کے ساتھ جامع الاحادیث کے نام سے دس ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔

اس مقام پر پروفیسر محمد مسعود احمد کی کتاب ''محدث بریلوی'' کا یہ اقتباس بالکل برمحل ہے۔

امام احمد رضا سے جب دریافت کیا گیا:

آپ نے حدیث شریف کی کون کون سی کتابیں درس کی ہیں؟ تو آپ نے جواباً مندرجہ ذیل کتبِ حدیث کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''مسند امام احمد وموطا امام محمد وکتاب الآثار امام محمد وکتاب الخراج امام ابو یوسف وکتاب الحج امام محمد وشرح معانی الآثار امام طحطاوی، موطا امام مالک ومسند امام شافعی ومسند امام محمد وسنن دارمی وبخاری و مسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی وابن ماجہ وخصائص نسائی و، منتقی الجارود وعلل متناہیہ ومشکوٰۃ وجامع کبیر وجامع

صغیر وذیل جامع صغیر ومنتقی ابن تیمیہ وبلوغ المرام وعمل الیوم واللیلۃ ابن السنی وکتاب الترغیب خصائص کبریٰ وکتاب الفرج بعد الشدت وکتاب الاسماء والصفات وغیرہ پچاس سے زائد کتب حدیث میرے درس وتدریس ومطالعہ میں رہیں۔'' (اظہار الحق الجلی، ص ۲۴، ۲۵، بحوالہ محدث بریلوی، ص ۶، ۷)

امام احمد رضا کی تحریروں پر مخالفین کا ایک گروہ شبانہ روز تحقیق اور ریسرچ کرنے کے بعد اپنی کوئی نئی اور انوکھی دریافت منظر عام پر لاتا ہے اور بڑے اعتماد کے ساتھ کہتا ہے کہ یہ بات کہیں نہیں۔ جب علمائے اہلِ سنت کی طرف سے اس کا صحیح حوالہ پیش کر دیا جاتا ہے تو مخالفین پھر اس سلسلے کا دوسرا شگوفہ چھوڑتے ہیں اور علمائے اہلِ سنّت اس کے حوالہ کی تلاش میں سرگرم ہو جاتے ہیں۔ بالآخر دوسرے کا بھی حوالہ دیا جاتا ہے تو مخالفین خاموشی کے ساتھ کسی تیسرے فتنے کی تیاری میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ (۴) ظاہر ہے یہ سلسلہ رُکنے والا نہیں۔ ہاں، مخالفین کے سنجیدہ افراد سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ مولوی محمد تقی عثمانی نے ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کی طہارت ونجاست کے بیان میں درس ترمذی میں بیان کیا ہے کہ:

''حضرت گنگوہی نے الکوکب الدری میں اس مقام پر فرمایا کہ اس حدیث کے بعض طرق میں یہ تصریح ہے کہ جب ان کی اہلیہ سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا وہ مویشی چرایا کرتے تھے اور ان کے ابوال سے تحرز نہیں کرتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ کی وفات کے واقعہ میں اہلیہ سے پوچھنے کا یہ قصہ احقر کو حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملا، لیکن حضرت گنگوہی نے اسے بڑے وثوق کے ساتھ نقل کیا ہے۔'' (درسِ ترمذی، جلد ۱، ص ۲۹۰)

حضرت سعد بن معاذ کے بارے میں گنگوہی صاحب نے جو کچھ تحریر کیا اسے علمِ حدیث میں درک وشغف رکھنے والا تلاش بسیار کے باوجود نہیں پا سکا تو گنگوہی صاحب کی اس تحریر کے بارے میں کیا کہا جائے؟

اعترافِ حقیقت :

امام احمد رضا کا محقق ہونا جانب دار اور غیر جانب دار اربابِ فکر ودانش کے نزدیک مسلّم اَمر ہے۔ چنانچہ شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں:

''ہندوستان کے دورِ آخر میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔'' (امام احمد رضا: اربابِ علم ودانش کی نظر میں، ص ۹۴)

دیوبندی مکتبِ فکر کے مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

''مولانا احمد رضا خاں کو تکفیر کے جرم میں برا کہنا بہت ہی برا ہے، کیوں کہ وہ بہت بڑے عالمِ دین اور بلند پایہ محقق تھے۔''

(رسالہ ہادی دیوبند، ص ۲۰، ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ، بحوالہ معارفِ رضا، شمارہ یازدہم ۱۹۹۱ء، ص ۲۵۲)

مولانا محمد انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

''مولانا احمد رضا خاں صاحب کی تحریریں شستہ اور مضبوط ہیں، جسے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مولوی احمد رضا صاحب ایک زبردست عالمِ دین اور فقیہ ہیں۔''

(رسالہ دیوبند، ص ۲۱ر جمادی الاول ۱۳۳۰ھ بحوالہ معارفِ رضا، شمارہ یازدہم ۱۹۹۱ء، ص ۲۵۳)

مولانا محمد شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

''مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی جو اپنے عقائد میں سخت ہی متشدد ہیں مگر اس کے باوجود مولانا صاحب کا علمی تبحر اس قدر بلند درجہ کا ہے کہ اس دور کے تمام عالمِ دین اس مولوی احمد رضا خاں صاحب کے سامنے کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتے۔''

(رسالہ الندوہ، ص ۱۷، اکتوبر ۱۹۱۴ء، بحوالہ معارفِ رضا، ۱۹۹۱ء، ص ۱۵۴)

مولوی ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں:

''وہ نہایت ہی کثیر المطالعہ، وسیع المعلومات اور متبحر عالم تھے، رواں دواں قلم کے مالک اور تصنیف وتالیف میں جامع فکر کے حامل تھے۔ فقہ میں ان کی نظیر مشکل سے ملے گی۔''

(ملخصاً نزہۃ الخواطر، ۸/ ۴۰، ۴۱)

جس کی محققانہ شخصیت اس قدر مسلّم ہو کہ اس کی عبارتوں پر کیے گئے اعتراضات پر مولوی اشرف علی تھانوی کا یہ بیان حد درجہ موزوں اور برمحل ہے:

''ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اعتراض کرنا کون سا مشکل کام ہے، زبان ہی تو ہلانی پڑتی ہے، تحقیق کا درجہ مشکل ہے، اسی لیے محقق پر سیکڑوں اعتراضات ہوتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کی نظر تمام جوانب پر ہوتی ہے اور غیر محقق کی صرف ایک بات پر ہوتی ہے، سو مختلف جوانب کو جمع کرنا کس قدر مشکل ہے۔''

(الافاضات الیومیہ فی الافادات القومیہ، ج ۷، ص ۱۹۷، ملفوظ نمبر ۲۹۶)

اعتراضات کے کچھ نمونے :

صرف الملفوظ پر کیے گئے اعتراضات کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس قسم کے بھونڈے اعتراضات خود اپنی حالتِ زار واضح کر رہے ہیں، انھیں پڑھتے وقت ایک عام آدمی کو بھی حیرت ہوگی کہ اعلیٰ حضرت کی عبارتوں پر اعتراض کرتے وقت علماے دیوبند کا اندازِ بیان اور طرزِ استدلال کہاں چلا جاتا ہے! ان کا جواب تو ایک اوسط درجے کا مقرر بھی بخوبی دے سکتا ہے۔ ذیل میں ہم قدرے تجزیہ کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت ایک مقام پر انبیا علیہم السلام کی حیات برزخیہ کے متعلق سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

''ارشاد: انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی حیات حقیقی حسی دنیاوی ہے، ان پر تصدیق وعدۂ الٰہیہ کے لیے محض ایک آن کو موت طاری ہوتی ہے پھر فوراً ان کو ویسے ہی حیات عطا فرما دی جاتی ہے، اس حیات پر وہی احکام دنیویہ ہیں، ان کا ترکہ بانٹا نہ جائے گا، ان کی ازواج کو نکاح حرام، نیز ازواج مطہرات پر عدت نہیں، وہ اپنی قبور میں کھاتے پیتے نماز پڑھتے ہیں، بلکہ سیدی محمد عبد الباقی زرقانی فرماتے ہیں کہ انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کی قبور مطہرہ میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں، وہ ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔'' (الملفوظ، حصہ سوم، ص ۳۰)

اس پر ایک دیوبندی کا تبصرہ ملاحظہ کریں:

''اس میں کس قدر انبیا کی تذلیل کی ہے، اور ان کو خواہش پرست قرار دیا ہے۔''

(بریلوی مسلک کی حقیقت، ص ۶۰)

آگے حاشیہ میں درج ہے:

''واضح رہے کہ احمد رضا خاں صاحب نے بغیر کسی دلیل کے اس قول کو نقل فرما کر اس کی تقریر و توثیق فرمائی ہے کہ نعوذ باللہ انبیا علیہم السلام قبور میں ازواج سے شب باشی کرتے ہیں'' کس قدر حیا سوز اور شرمناک بات ہے کہ امہات المومنین اور انبیا علیہم السلام کی شان میں ایسی بات بلا دلیل کہہ دی جائے، کسی بیٹے کے لیے تو اپنی ماں کے بارے میں اس قسم کی کھلی بات گوارا نہیں کی جاتی چہ جائے کہ امہات المومنین اور سید الانبیاء کی بابت ایسی بے باکی سے لب کشائی کی جائے۔ (ایضاً)

حالاں کہ یہی بات زرقانی میں درج ہے:

''نقل السبکی فی طبقاته عن ابن فورك انه علیه السلام حی فی قبره علی الحقیقة لا المجاز یصلی فیه باذان واقامة۔ قال ابن عقیل و یضاجع ازواجه ویتمتع بهن اکمل من الدنیا و حلف علی ذلك وهو ظاهر ولا مانع عنه۔''

(بحوالہ تحقیقات اول، ص ۱۳۴)

یعنی علامہ سبکی نے طبقات میں ابن فورک سے نقل کیا ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی قبر میں حقیقۃً زندہ ہیں نہ کہ مجازاً۔ اس میں اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ ابن عقیل نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔ اور انھوں نے اس پر قسم بھی کھائی اور یہ ظاہر ہے، جس سے کوئی مانع نہیں۔

اس قسم کے ارشادات جو اکابر کی تحریروں سے ماخوذ ہیں ان پر اعتراض امام احمد رضا پر اعتراض نہیں بلکہ اسلاف و اکابر پر اعتراض ہے۔ نیز اس سے معترضین کی عجلت پسندی اور کم علمی کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اگر انھیں پہلے سے علم ہوتا کہ یہ بات کہاں سے ماخوذ ہے اور کس کا فرمان ہے تو اعتراض کی جرأت نہ کرتے۔

دراصل انبیاے کرام کی حیات بعد وفات کے حسی حقیقی دنیوی ہونے پر علماے اہلِ سنّت کا اجماع ہے۔ (ملاحظہ ہو حیات النبی للبیہقی) لہٰذا ان کی وفات کے بعد بھی ان کی ازواج ان کے نکاح میں باقی رہتی ہیں، اس لیے ازواج مطہرات سے پوری زندگی کسی کا نکاح نہ ہوگا۔ لہٰذا جب صورتِ حال یہ ہے کہ وفات کے بعد بھی انبیا کی حیات حسی حقیقی ہے اور ان کی ازواج ان کے نکاح میں باقی رہیں تو قبر میں انھیں معیت حاصل ہو تو کیا حرج ہے.....؟ کیا ''شب باشی'' (یضاجع ازواجه) اولا مستم النساء کے مثل وطی سے کنایہ ہے؟ اور اگر ہو تو کیا قباحت ہے؟ کیا حضور نے نکاح نہ کیا.....؟ کیا حضور کی اولاد نہ ہوئی.....؟ اگر یہ شبہہ ہو کہ بعد وفات یہ امر درست نہ ہو تو سوال یہ ہے کہ بقاے نکاح کی تقدیر پر قبل وفات جو چیز حلال تھی بعد وفات وہ حرام ہوگی؟ یا زوجیت کے باوجود ان کی طرف انتساب حرام ہوگا.....؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ جنت تو قبر سے بھی زیادہ مقدس اور اعلیٰ و ارفع جگہ ہے، کیا وہاں ازواج کے ساتھ مباشرت نہ ہوگی؟ کیا قرآن و حدیث کے اندر صاف صاف لفظوں میں ازواج سے قربت کا جو بیان ہے وہ سب افسانہ ہے؟ کیا دیوبندیوں کا عقیدہ اس بارے میں وہی ہے جو نیچریوں کا ہے؟

بولیں اور صاف بولیں!

معترضین کی عجلت پسندی:

یہ بات بالکل واضح ہے کہ مخالفین نے جذبۂ عداوت میں اعتراض کرنے میں بڑی عجلت سے کام لیا ہے۔ امام احمد رضا کی کسی عبارت کے خلاف کہیں کوئی عبارت کسی ہیئت میں ملی اس کے سہارے فوراً اعتراض جڑ دیا، اور یہ بھی غور نہ کیا کہ جو اعتراض کیا جا رہا ہے وہ واقعۃً اس پر وارد ہوتا بھی ہے یا نہیں؟ جو معنی بتائے جا رہے ہیں، اس کا اس میں احتمال بھی ہے یا نہیں.....؟

پہلی مثال:

گزشتہ صفحات میں گزرا کہ الملفوظ میں جس عبد الرحمٰن فزاری کا واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ کتابت کی غلطی سے عبد الرحمٰن فزاری کے بجائے عبد الرحمٰن قاری ہو گیا، تو اس پر ''مقدس صحابی رسول کی تکفیر'' ہیڈنگ لگا کر لکھا کہ ''احمد رضا نے ایک صحابی رسول جن کا نام عبد الرحمٰن قاری ہے ان کی تکفیر کی ہے۔'' اور دلیل کے طور پر اسد الغابہ، تقریب اور تہذیب کے حوالہ سے عبد الرحمٰن قاری کے بجائے عبد الرحمٰن ابن عبد القاری کا نام پیش کیا ہے۔ (بریلی مسلک کی حقیقت، ص ۵۹)

دوسری مثال:

قبر میں منکر نکیر کے سوال کے تعلق سے اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

''اس کے بعد سوال کرتے ہیں **ما تقول فی ھذا الرجل**؟ ان کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ اب نہ معلوم کہ سرکار خود تشریف لاتے ہیں یا روضۂ مقدسہ سے پردہ اُٹھا دیا جاتا ہے، شریعت نے کچھ تفصیل نہ بتائی اور چوں کہ امتحان کا وقت ہے اس لیے **ھذا النبی** نہ کہیں گی **ھذا الرجل** کہیں گے۔

اس پر ایک دیوبندی مولوی کا یہ ریمارک پڑھیے:

''**ھذا النبی** نہ کہیں گے'' یہ بات بھی خان صاحب کے غیر محقق ہونے کی دلیل ہے ورنہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ قبر میں "**من نبیك**" کہہ کر بھی سوال کرتا ہے۔ چنان چہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں ''لفظ مصابیح ایں چنیں است **اذا قیل لہ من ربك وما دینك ومن نبیك** چوں گفتہ می شود او را کیست پروردگار تو، چیست دین تو، و کیست پیغمبر تو۔'' (اشعۃ اللمعات، ج ۱، ص ۱۲۴) (رضا خانیت کے علامتی مسائل، ص ۱۹)

دراصل مشکوٰۃ شریف میں حضرت انس کی روایت میں ہے کہ منکر نکیر "**ما کنت تقول فی**

ھذا الرجل" کہہ کر سوال کریں گے، اور یہی الفاظ حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں بھی ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۲۴، ۲۵، و بخاری شریف اول، ص ۱۸۴) اور حضرت براء بن عازب کی روایت میں ہے کہ سوال یوں ہوگا: **ما ھذا الرجل الذی بعث فیکم** (مشکوٰۃ شریف، ص ۲۵)

غرض کہ کسی روایت میں **ما تقول فی ھذا النبی** وارد نہیں ہوا۔ لہٰذا اگر امام احمد رضا نے اس کی توجیہ یہ فرمائی کہ چوں کہ یہ امتحان کا وقت ہے اس لیے **ھذا النبی** نہ کہیں گے، **ھذا الرجل** کہیں گے، تو یہ توجیہ روایتوں کے خلاف نہیں بلکہ ان کے مطابق ہے۔ ہاں شیخ محقق نے جو فرمایا کہ مصابیح کے الفاظ اس قسم کے ہیں **اذا قیل لہ من ربك وما دینك ومن نبیك** تو عرض ہے کہ اولاً شیخ محقق نے مصابیح کے الفاظ کا جو حوالہ دیا ہے اس کے لیے ''ایں است'' کے بجائے ''ایں چنین است'' فرمایا، جس سے بعینہ الفاظ کے عدم ثبوت کا اشارہ ملتا ہے۔ ثانیاً: اگر ثابت بھی ہو تو اتنا ہوگا کہ فرشتے **ومن نبیك** کہہ کر سوال کریں گے۔ اور اعلیٰ حضرت نے اس کی نفی نہیں کی، آپ نے **ھذا النبی** کی نفی کی ہے۔ **ھذا النبی** اور **من نبیك** میں فرق آگے آتا ہے۔ ثالثاً: اعلیٰ حضرت نے جو وجہ بیان فرمائی ہے وہ آزمائش و امتحان ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ چوں کہ آزمائش مقصود ہے اس لیے اگر یوں سوال کیا جائے کہ "**ما تقول فی ھذا النبی**" تو مخاطب نفسِ سوال سے سمجھ جائے گا کہ یہ نبی ہیں۔ اور جواب دینا اس کے لیے مشکل نہ ہوگا، برخلاف اس کے اگر "**ما تقول فی ھذا الرجل**" کہا جائے تو مخاطب نفسِ سوال سے یہ نہ سمجھ پائے گا کہ جس آدمی کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے وہ نبی ہے یا نہیں؟ اس لیے جواب اسی وقت دے سکے گا جب کہ وہ پہلے سے صاحبِ ایمان ہو۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ اگر کسی روایت سے یہ ثابت ہو جائے کہ "**من نبیك**" کہہ کر سوال کیا جائے تو اس سوال سے بھی مقصود امتحان فوت نہ ہوگا۔ معمولی عربی داں جانتا ہے کہ "**من نبیك**" (تمہارا نبی کون ہے؟) کے سوال سے نبی کی تعیین نہیں ہو سکے گی کہ مخاطب سوال سے جواب اخذ کر لے، برخلاف "**ما تقول فی ھذا النبی**" کے، کہ اس سوال سے ہی جواب مستفاد ہو سکتا ہے۔ تو "**ما تقول فی ھذا النبی**" کی نفی اور "**من نبیك**" کے ثبوت میں تنافی کہاں ہے؟

خلاصہ یہ کہ نبی کی جانب اشارہ کیے بغیر اور نبی کا نام بتائے بغیر کسی سے پوچھا جائے، تیرا نبی کون ہے؟ تو اس سوال میں ضرور اس کا امتحان ہے۔ اس کے بعد نبی کی جانب صاف اشارہ کر کے اگر یوں کہا جائے؛ تو اس مرد کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ تو یہ سوال اب بھی اس کے لیے امتحان ہے۔ ہاں

اگر یوں پوچھیں کہ اس ''نبی'' کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ تو سوال کے ساتھ جواب بھی بتا دیا گیا۔ امتحان کیا رہا؟ یہ فرق ایک عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ اگر معترضین کی عقل عداوت کے نشے میں غائب نہ ہوتی تو وہ ایسا اعتراض لکھنے کی جرأت ہی نہ کرتے۔

تیسری مثال:

اس قسم کے اعتراض کی تیسری مثال یہ ہے:

زندگی میں ہی اپنی قبر تیار کرنے کے تعلق سے سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

''ارشاد: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وما تدری نفس بای ارض تموت** کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا؟ قبر تیار رکھنے کا شرعاً حکم نہیں، البتہ کفن سلوا کر رکھ سکتا ہے کہ جہاں کہیں جائے اپنے ساتھ لے جائے اور قبر ہم راہ نہیں رہ سکتی۔'' (الملفوظ، حصہ اول، ص ۶۷)

اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ عالم گیری میں مسئلہ اس کے برخلاف ہے۔ **من حفر قبراً لنفسه فلا باس به ویؤجر علیه کذا فی التتار خانیه** (عالم گیری اول، ص ۱۶۶) اور تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ اس سلسلے میں جو مسئلہ محققہ ہے وہی امام احمد رضا نے بیان فرمایا ہے۔ چنان چہ درِ مختار میں ہے:

ویحفر قبراً لنفسه وقیل یکره و الذی ینبغی ان لا یکره تهیئة نحو الکفن بخلاف القبر۔

یعنی اپنے لیے قبر تیار کی جاسکتی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے اور مناسب یہ ہے کہ کفن جیسی چیزوں کو تیار کر لینے میں کوئی کراہت نہیں برخلاف قبر کے۔

اس کے تحت شامی میں **والذی ینبغی** پر ہے:

کذا قاله فی شرح المنیة، وقال: لأن الحاجة الیه متحققة غالباً بخلاف القبر، لقوله تعالیٰ وما تدری نفس بأی أرض تموت۔

(شامی جلد ثالث، ص ۱۵۴، مطبع زکریا بک ڈپو، دیوبند)

یوں ہیں (یعنی قبر کے بجائے کفن وغیرہ اپنے لیے تیار رکھنا) شرح منیۃ المصلی میں ہے اور فرمایا کہ بسا اوقات کفن جیسی چیزوں کی ضرورت کا پایا جانا متحقق ہے برخلاف قبر کے۔

نحو الکفن بخلاف القبر کہہ کر دونوں میں جس فرق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ کفن ایسی چیز ہے جو قابلِ انتقال ہے اور اسے ساتھ ساتھ رکھا جا سکتا ہے، لیکن قبر کو

ساتھ ساتھ رکھا نہیں جا سکتا، ظاہر ہے کوئی کفن تیار کر کے ساتھ رکھے تو جہاں کہیں موت آجائے وہ اس کے کام آسکتا ہے، لیکن قبر تیار کر لے تو دوسری جگہ موت کی صورت میں قبر کی تیاری عبث اور لغو ہوگی، اور قرآن فرماتا ہے کہ کسی کو اپنی موت کا مقام نہیں معلوم۔ اسی لیے فقہ حنفی کے مسائل محققہ مرجحہ پر مشتمل کتاب ''بہارِ شریعت'' میں ہے:

''مسئلہ: اپنے لیے کفن تیار رکھے تو حرج نہیں اور قبر کھودوا رکھنا بے معنی ہے، کیا معلوم کہاں مرے گا۔ (درِ مختار) (بہارِ شریعت ۴/ ۱۶۰)

رہا تتارخانیہ کے حوالے سے عالم گیری کا مسئلہ اور اس کی تائید میں شامی کا تتارخانیہ سے یہ نقل کرنا ''**هکذا عمل عمر بن عبد العزیز و الربیع بن خیثم وغیرهما**''، تو بیان مسئلہ میں امام احمد رضا قدس سرہ کے کلمات سے اس کے احتیاط کی عکاسی ہوتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ اس پہلو کو بھی مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ''قبر تیار رکھنے کا شرعاً حکم نہیں۔'' ان الفاظ میں اور عالم گیری کے **لا باس به** میں کوئی تعارض نہیں۔

چوتھی مثال:

امام احمد رضا ارشاد فرماتے ہیں:

''جب میرے پیر بھائی برکات احمد کا انتقال ہوا اور دفن کے وقت ان کی قبر میں اترا تو مجھے بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی جو پچھلی مرتبہ روضۂ انور کے قریب آئی تھی۔'' (الملفوظ، حصہ دوم، ص ۲۵)

اس پر یہ اعتراض کہ احمد رضا صاحب نے اپنے پیر بھائی کی قبر کو روضۂ اقدس کے برابر کر دیا۔ اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اور حضور کے روضۂ اقدس کی کھلی توہین ہے۔

(بریلوی مسلک کی حقیقت، ص ۵۴)

وہابیہ اور دیابنہ کے پاس فضائل کو ناپنے کے بہت ہی حساس پیمانے ہیں کسی کی تعریف کو دوسرے کی تعریف سے ذرا سی مناسبت ہوئی کہ برابری ہوگئی۔ رسول کے لیے **علم ما کان و ما یکون** مانا تو اللہ کے علم سے برابری ہوگئی۔ کسی نیک اُمتی کی قبر میں وہ خوش بو ملی تو جو روضۂ اقدس کے قریب بھی ملی ہو تو گویا اس قبر کو روضۂ اقدس کے برابر کر دیا۔ یہی منطق اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں کی گئی تعریف و توصیف پر کیوں نہیں چلتی۔ وہاں فضائل ناپنے والے آلے بے حس کیوں ہو جاتے ہیں؟

اعلیٰ حضرت قدس سرہ بارگاہِ رسالت میں ان کی مقبولیت اور ان پر آقا یانہ کرم فرماتے ہوئے

سرکار کی تشریف آوری کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں اور خاص اس خوش بو کو تشریف ارزانی کی علامت کے طور پر بیان کر رہے ہیں۔ مگر دیوبندی عقل اس سے مساوات اور برابری کا نتیجہ اخذ کر رہی ہے۔ یہ لوگ تو رسول کو صاف صاف اپنے جیسا بشر، اپنا بڑا بھائی، یا زیادہ سے زیادہ گاؤں کے زمیں دار اور چودھری جیسا ''تقویۃ الایمان'' میں لکھ چکے، جسے پوری برادری چھاپتی، لکھتی پڑھتی اور مانتی چلی آ رہی ہے؛ اور اس میں رسول کی کوئی توہین نظر نہیں آتی۔ اور ایک بزرگ کی قبر پر سرکار کی تشریف ارزانی کی وجہ سے امام احمد رضا نے سرکار کی خوش بو پانے کی علامت بیان کر دی تو اس میں سرکار کی توہین نظر آنے لگی۔

احادیث وسیرت کی متعدد کتب میں ایسے واقعات موجود ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مستفیض ہونے والے متعدد صحابہ میں مشک وعنبر وغیرہ کی خوش بو آتی تھی، مثلاً ایک صحابی کا بیان کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مصافحہ کر لیتا تو سارا دن اپنے ہاتھوں میں خوش بو محسوس کرتا تھا، جب وہ نورِ مجسم اپنے دستِ شفقت کسی بچے کے سر پر پھیرتے تو وہ خوش بو کے باعث دوسروں سے پہچانا جاتا تھا۔ (کتاب الشفا للقاضی عیاض، مترجم، ص ۱۲۵) ایک عورت کو تھوڑا پسینہ عنایت ہوا، جب کپڑوں میں ملتی، تمام گھر مہک جاتا، یہاں تک کہ لوگ اس کے گھر کو ''بیت المطیبہ'' کہنے لگے اور کئی پشت تک ان کی اولاد میں خوش بو باقی رہی۔ محمد بن سعید بن مطرب نے خواب میں دیکھا کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے رُخسار پر بوسہ دیا، بے دار ہوئے تو تمام گھر مہک رہا تھا اور اس رُخسار سے آٹھ دن تک مشک کی خوش بو آتی رہی۔ اور سید قمر الدین اورنگ آبادی خواب میں مصافحہ شریفہ سے مشرف ہوئے، مدت تک مشک کی خوش بو ان کے ہاتھوں سے محسوس ہوتی تھی۔ (الکلام الاوضح فی تفسیر المنشرح، ص ۱۱۴)

حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جس اُمتی پر جس طرح چاہیں کرم فرمائیں۔ امام احمد رضا کے پیر بھائی حضرت برکات احمد پر یہ کرم فرمایا کہ ان کی قبر میں تشریف لائے یا اپنے روضۂ انور سے خوش بوؤں کی نوازشات فرمائی، خصوصاً ایسے موقع پر جب ما تقول فی ھذا الرجل کے طفیل جلوہ نمائی ہونے والی ہے۔ اس سے امام احمد رضا کے پیر بھائی پر سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عنایت اور ان کی بارگاہِ رسول میں مقبولیت کا پتہ چلتا ہے۔

رہی حضور کی توہین کی بات تو جن کی ساری زندگی شانِ الوہیت ورسالت میں توہین کرتے ہی گزر رہی ہے، ایسے لوگ اگر اعلیٰ حضرت پر توہینِ رسالت کا الزام دھریں تو ان کے لیے ابو الکلام آزاد کا یہ جملہ برمحل ہوگا:

''مولانا احمد رضا خاں ایک سچے عاشقِ رسول ہیں۔ میں تو یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ ان سے توہینِ نبوت ہو۔'' (امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں، ص ۹۶)

روایت باللفظ یا روایت بالمعنیٰ :

الملفوظ میں کچھ مقامات وہ ہیں جہاں احادیثِ کریمہ کی عبارتیں درج ہیں جو بہ لفظہٖ حدیث میں نہیں ملتیں بلکہ کچھ تبدیلی کے ساتھ مثلاً خضابِ سیاہ کی حرمت پر چھ حدیثیں پیش کی گئی ہیں جن میں پہلی حدیث بحوالہ مسلم شریف یوں درج ہے: ''غیر وا ھذا الشیب ولا تقربوا السواد'' اور مسلم شریف میں یہ حدیث یوں ہے ''غیروا ھذا بشئ واجتنبوا السواد'' دوسری حدیث سنن نسائی کے حوالے سے یوں پیش کی گئی ہے ''یاتی ناس یخضبون بالسواد کحو اصل الحمام لا یریحون رائحۃ الجنۃ'' (الملفوظ، حصہ دوم، ص ۱۰۳) جب کہ سنن نسائی میں اس کا متن یہ ہے ''قوم یخضبون بھذا السواد اٰخر الزمان کحو اصل الحمام لا یریحون رائحۃ الجنۃ''

اس قسم کے لفظی اختلاف کو پیش کر کے تحریف جیسے سنگین الزامات عائد کیے جاتے ہیں۔ (۵)

دراصل ملفوظات کی تدوین امالی کی شکل میں نہیں ہوئی تھی کہ اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے اور ساتھ ہی ساتھ املا کیا جاتا ہو، بلکہ یہ مختلف نشستوں کے افادات، یا استفسار کے جوابی ارشادات ہوتے جنھیں اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے سننے کے بعد یادداشت کے سہارے قلم بند کر لیا جاتا۔ صحتِ نقل کی تقدیر پر اس قسم کے فرق کو زیادہ سے زیادہ روایت بالمعنی کا فرق قرار دیا جا سکتا ہے۔ روایت باللفظ کی اہمیت وفضیلت سے انکار نہیں، لیکن روایت بالمعنی ایک متبحر عالم جو نصوص کے معانی کو اچھی طرح سمجھتا ہو، کر سکتا ہے۔ چنان چہ اصولِ حدیث کی کتاب نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

لا یجوز تعمد تغییر المتن ولا الاختصار منہ بالنقص ولا ابدال اللفظ باللفظ المرادف لہ الا لعالم بمدلولات الالفاظ وبما یحیل المعانی علی الصحیح۔ (ص ۶۶)

ترجمہ: حدیث کے متن کو جان بوجھ کر بدلنا اور کلماتِ حدیث میں کمی کر کے اس میں اختصار کرنا اور کسی کلمے کو کسی مرادف کلمے سے بدلنا جائز نہیں مگر اس شخص کے لیے جو الفاظ کے معنی، اور ان تغیرات کو جانتا ہو جن سے معنی بدل جاتے ہیں۔

آگے مزید فرماتے ہیں:

واما الروایة بالمعنی فالخلاف فیه شهیر. الأکثر علی الجواز ایضاً ومن أقویٰ حججهم الاجماع علی جواز شرح الشریعة للعجم بلسانهم للعارف به فاذا جاز الابدال بلغة أخری فجوازه باللغة العربیة أولیٰ وقیل إنما یجوز فی المفردات دون المرکبات وقیل إنما یجوز لمن یستحضر اللفظ لیتمکن التصرف فیه وقیل إنما یجوز لمن کان یحفظ الحدیث فنسی لفظه وبقی معناه مرتسماً فی ذهنه فله ان یرویه بالمعنی لمصلحة تحصیل الحکم منه بخلاف من کان مستحضراً للفظه۔ (ص٦٧)

ترجمہ: روایت بالمعنیٰ کے سلسلے میں اختلاف مشہور ہے۔ اکثر علما اس کے جواز پر ہیں، ان کے مضبوط دلائل میں یہ ہے کہ شریعت کی توضیح وتشریح اہلِ عجم کے لیے ان کی زبان میں جان کار آدمی کے لیے جائز ہونے پر اجماع ہے۔ تو جب دوسری زبان سے بدلنا جائز ہے تو عربی زبان سے بدلنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ متنِ حدیث کے مفردات میں تبدیلی جائز ہے مرکبات میں نہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اس کے لیے جائز ہے جسے لفظ اس طرح مستحضر ہو کہ اس میں تصرف کر سکے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسا اس شخص کے لیے جائز ہے جسے حدیث یاد تھی، پھر الفاظ بھول گیا اور اس کا معنیٰ اس کے ذہن میں باقی ہے تو وہ روایت بالمعنیٰ کرسکتا ہے تاکہ اس سے حکم لے سکے، برخلاف اس کے جسے الفاظ حدیث مستحضر ہوں۔

اس مقام پر محشی مفتی عبداللہ ٹونکی لکھتے ہیں:

قیل ویدل علیه ایضاً روایة الصحابة ومن بعدهم القصة بالفاظ مختلفة ویدل ماروی من حدیث عبد الله ابن سلیمان اللیثی قال قلت یا رسول الله انی اسمع منك الحدیث لا استطیع أن أو دیه کما أسمع منك ازید حرفاً أو أنقص فقال اذا لم تحلوا حراماً ولا تحرموا ا حلالاً واصبتم المعنی فلا بأس۔
(ایضاً)

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ صحابہ اور تابعین ایک ہی واقعہ کو مختلف الفاظ سے روایت کرنا اس پر دلیل ہے اور حضرت عبداللہ ابن سلیمان اللیثی کی حدیث بھی اس پر دلیل ہے، فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں آپ سے حدیث سنتا ہوں اور جیسی سنتا ہوں ویسی ہی ادا نہیں کر پاتا، کچھ کمی بیشی ہو جاتی ہے تو حضور نے ارشاد فرمایا، اگر تم حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہ کر دو اور مفہوم کی صحیح

ادائیگی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

ان اقتباسات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ بیانِ حدیث میں اگر مفہوم نہ بدلا ہو تو روایت بالمعنیٰ پر اعتراض لایعنی اور ذخیرۂ حدیث کے ایک بڑے حصے کو لغو قرار دینے کے مرادف ہے۔

سالِ تالیف وترتیب:

الملفوظ نام سے واضح ہے کہ اس کی ترتیب ١٣٣٨ھ میں ہوئی اور یہ مختصر سی مدت کے ملفوظات ہیں، جیسا کہ ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو صاحب لکھتے ہیں کہ: یہ ملفوظات دو سال کچھ مہینوں کے ہی قلم بند کیے گئے ہیں (٦) اور وہ بھی اعلیٰ حضرت کی حیاتِ طیبہ کے آخری سالوں میں۔ اعلیٰ حضرت نے خود اس کا نام ''الملفوظ'' رکھا۔ جو اس کی تاریخِ تالیف پر مشتمل ہے۔ اور یہ شعر عنایت فرمایا ؎

میرے ملفوظ کچھ کیے محفوظ　　مصطفیٰ مصطفیٰ کا ہو ملحوظ
نام تاریخی اس کا رکھتا ہوں　　زبر و بینہ میں الملفوظ

١٣٣٨ھ

اس کا تاریخی نام بھی دل چسپ نوعیت کا ہے، جس کی طرف مذکورہ شعر میں اشارہ کیا گیا ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ جس طرح تاریخی نام ہوتے ہیں اگر ''الملفوظ'' کے اعداد نکالے جائیں تو (١٣٣٨) کے بجائے (١٠٩٧) آتے ہیں، لیکن کلمہ ''الملفوظ'' جو سات حروف پر مشتمل ہے، اس کے ہر حرف کو الگ الگ پورا پورا لکھا جائے تو اس کے اعداد ابجدی جوڑنے سے ١٣٣٨ آجاتے ہیں مثلاً:

الف	لام	میم	لام	فا	واو	ظا	
١١١ +	٧١ +	٩٠ +	٧١ +	٨١ +	١٣ +	٩٠١	= ١٣٣٨

لیکن راقم الحروف کا اندازہ ہے کہ اس میں مختلف عہد کے ملفوظات ہیں، جن کی ترتیب کا کام حضور مفتیِ اعظم ہند نے ١٣٣٨ھ میں کیا۔

پہلا عرصہ حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی کا ہے۔ اندازہ ہے کہ حضرت موصوف ١٩١٠ء کے بعد اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ ندوہ کے صدر دوم مولوی سید محمد شاہ صاحب سے ایک مکالمہ بھی حصہ اول میں درج ہے جو ١٣١٦ھ میں ہوا۔ دوسرے سفرِ حج ١٣٢٣ھ کی تفصیلی روداد بھی حصہ دوم میں ہے۔

حواشی

(١) اکرام امام احمد رضا، ص ١٠ ر پر مفتی محمد برہان الحق جبل پوری کے بارے میں ہے۔ شوال ١٣٣٢ھ/ ١٩١٤ء میں بریلی حاضر ہوئے، دارالافتاء میں امام احمد رضا کے ارشادات قلم بند کیے۔ (اکرام امام احمد رضا، ص ١٠) اس سے اندازہ

ہوتا ہے کہ حضور مفتیِ اعظم ہند کے علاوہ اور لوگ بھی اعلیٰ حضرت کے ارشادات قلم بند کرتے تھے۔ ہاں اکثر حصہ حضور مفتیِ اعظم ہند نے ہی زیب قلم کیا ہے۔ جیسا کہ دیباچہ سے سمجھ میں آتا ہے۔

(۲) واضح رہے کہ یہ تینوں حواشی بھی بعد کے نسخوں میں (جو اس وقت چھپ رہے ہیں) کتابت میں چھوٹ گئے ہیں۔ منہ

(۳) ۲۵/اکتوبر ۲۰۰۲ء کو راقم الحروف بریلی شریف حاضر ہوا، جانشینِ مفتیِ اعظم ہند تاج الشریعہ حضرت علامہ ازہری صاحب قبلہ مدظلہ العالی سے ملاقات ہوئی۔ عرض کیا کہ وہ کون سا نسخہ ہے جسے حضور مفتیِ اعظم ہند نے خود شائع کروایا تھا اس پر حضرت موصوف نے لاعلمی ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ بعد والے نسخوں پر حضور مفتیِ اعظم ہند ناراضی ظاہر فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''نہ جانے کیسے چھپوا دیا ہے۔'' حضور محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ مدظلہ نے بھی اس کی تائید فرمائی اور اس سلسلہ میں حضور مفتیِ اعظم ہند سے اپنے ایک استفسار اور ان کے ارشاد کا بھی حوالہ دیا۔ منہ ۱۲

(۴) دلھن کے پاؤں دھو کر مکان میں چھڑکنے پر، یوں ہی ایک پیر کا اپنے مرید کے ساتھ ہمہ وقت رہنے سے متعلق امام احمد رضا کے افادات پر اعتراض و جواب کی تفصیلات تحقیقات، تعزیرات وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

(۵) حالاں کہ اسی کی ایک دوسری مثال یہ بھی ہے۔ ''الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ'' (ملفوظات حکیم الامت) میں استخارہ کے سلسلے میں مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی تقریباً چھ حدیثیں پیش کی ہیں، جو ملفوظات حکیم الامت جلد دہم، ص ۲۵۶ تا ص ۲۵۸ پر درج ہیں۔ ان میں پہلی حدیث بخاری کے حوالے سے یوں درج ہے۔ اذا دعا احدکم فلا یقل اللھم اغفرلی ان شئت ارحمنی ان شئت ارزقنی ان شئت، ولیعزم المسئلۃ انہ یفعل ما یشاء لا مکرہ لہ رواہ البخاری (ملفوظات حکیم الامت، جلد دہم، ص ۲۵۶)

حالاں کہ بخاری شریف میں وہ حدیث حضرت انس کی روایت سے یوں ہے: عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دعا احدکم فلیعزم المسئلۃ ولا یقولن اللھم ان شئت فاعطنی فانہ لا مستکرہ لہ۔ (بخاری شریف ثانی، ص ۹۳۸)

اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے یوں ہے: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یقولن احدکم اللھم اغفرلی ان شئت اللھم ارحمنی ان شئت لیعزم المسئلۃ فانہ لا مکرہ لہ۔ (ایضاً)

دوسری حدیث مسلم شریف کے حوالے سے یوں درج ہے: اذا دعا احدکم فلا یقل اللھم اغفر ان شئت ولکن لیعزم المسئلۃ ولیعزم الرغبۃ فان اللہ تعالی لا یتعاظمہ شئ اعطاہ رواہ مسلم (ایضاً، ص ۲۵۷)

جب کہ مسلم شریف جلد دوم، ص ۳۴۲ پر وہ حدیث حضرت انس کی روایت میں یوں ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دعا احدکم فلیعزم الدعاء ولا یقل اللھم ان شئت فاعطنی فان اللہ لا مستکرہ لہ۔

اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں یوں ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقولن احدکم اللھم اغفرلی ان شئت اللھم ارحمنی ان شئت لیعزم فی الدعاء فان اللہ صانع ما شاء ولا مکرہ لہ۔ ۱۲

(۶) ماہ نامہ جہانِ رضا لاہور، ص ۳۹، ستمبر ۱۹۹۴ء بحوالہ مولانا شہاب الدین رضوی، مضمون: الملفوظ اور اس کا مقام و مرتبہ۔

☆☆☆

یہ مجلس غزل نہیں منھ کو ذرا لگام دو

حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان قادری ازہری مدظلہ العالی

''چاند سے اُن کے چہرے پر گیسوئے مشک فام دو''
ایک انوکھی ہے سحر جس سے بہم ہیں شام دو

''ان کی جبینِ ناز پر زُلفِ سیاہ بکھر گئی''
شب کے حسین پردے میں چمکے مہِ تمام دو

دونوں طرف ہیں چہرے پر گیسوئے مشک فام دو
جمع ہیں ایک آن میں ضدِّ صباح و شام دو

تلوؤں کے ان سے ہے بندھی شمس و قمر کی روشنی
ہیں یہ انہی کی تابشیں ہیں یہ انہی کے نام دو

پی کے پلا کے مَیکَشو تلچھٹ درونِ جام دو
قطرہ دو قطرہ یونہی سی کچھ تو برائے نام دو

ان کی امان میں دیے جن کے کرم سے مل گئے
ان کے چمن کے پاسباں حسامؔ اور ھمامؔ دو

یہ دونوں بے خطر رہیں اسلام کی سِپر رہیں
اعدائے دین پر رہیں شمشیرِ بے نیام دو

کشتی میری حیات کی اب تو کنارے لگ گئی
کہتی ہے تم سے زندگی اب تو مئے دوام دو

میدانِ نعتِ شاہِ دیں اخترؔ ہے پُر خطر زمیں
یہ مجلسِ غزل نہیں منھ کو ذرا لگام دو

قصیدہ درشانِ مجددِ اعظم امام احمد رضا

[در بحر طویل]

مولانا محمد سلمان رضا فریدی صدیقی مصباحی، مسقط عمان

رضوی رنگ میں رنگ جاؤ مرے یار، اعلیٰ حضرت پہ دل وجاں ہے نثار

وہ دل و جاں سے فدائے شہِ ابرار، وہ مقبولِ درِ احمدِ مختار، زمانے میں ہدایت کا وہ معیار، رضا سے ہے ہمیں پیار
سنیت کا ہے وہ معمار، سبھی اہلِ سنن جس کی عقیدت میں ہیں سرشار، وہ دُنیائے محبت کا ہے سردار

رضوی رنگ میں رنگ جاؤ مرے یار، اعلیٰ حضرت پہ دل وجاں ہے نثار

ان کا سینہ شہِ کونین کی اُلفت کا چمن، جس کی مہک، جس کی لہک، جس کے شجر، برگ وثمر، غنچہ وگُل، یعنی کہ گُل، رونقِ اسلام
اُن کی تحریر کی تنویر سے تعمیر ہے مینارِ وفا، قصرِ ثنا، بابِ کرم، شہرِ حکَم، صدق ویقیں، عظمتِ دیں، حق کا وقار

رضوی رنگ میں رنگ جاؤ مرے یار، اعلیٰ حضرت پہ دل وجاں ہے نثار

علم وعرفان کے وہ اِک گوہرِ نایاب، ہدایت کے وہ مہتاب، شہنشاہِ سخن، نیّرِ فن، فخرِ زمن، عشق ومحبت کے امام
جلوۂ فیضِ نبی، مہرِ عنایاتِ علی، نورِ درِ غوثِ جلی، عزمِ حسینی، عکسِ حسن، جن سے ہے تا حشر گلستانِ شریعت میں نکھار

رضوی رنگ میں رنگ جاؤ مرے یار، اعلیٰ حضرت پہ دل وجاں ہے نثار

وہ گُلِ فضل وکمالات، چراغِ درِ برکات، وہ اِک تحفۂ سادات، وہ مارہرہ کی سوغات، وہ فیضانِ درِ خواجۂ اجمیر
اُن پر مرشد بھی کریں ناز، یہ ہے کتنی بڑی شان، یہ کتنا بڑا اعزاز، کہ جس سے ہوئے اربابِ طریقت میں وہ ممتاز، بنے تقویٰ کے شہکار

رضوی رنگ میں رنگ جاؤ مرے یار، اعلیٰ حضرت پہ دل وجاں ہے نثار

غیرتِ عشقِ رسالت میں وہ اِک خنجرِ خونخوار، وہ اِک برقِ شرر بار، ہر اِک نجدی وہابی کے لیے شعلہ فشاں آفتِ جاں، قہرِ عظیم
صفتِ سیفِ عمر، ہو کے نڈر، ختم کیے نجد کے شر، جس کی دھمک، جس کا اثر، آج بھی ہے دافعِ اشرار

رضوی رنگ میں رنگ جاؤ مرے یار، اعلیٰ حضرت پہ دل وجاں ہے نثار

علم باطن ہو کہ ظاہر، وہ تھے ہر اِک میں ماہر، وہ مجدد وہ ولی ہیں، وہ کمالوں کے دَھنی ہیں، میں بیاں کیسے کروں ان کے سب اوصاف
زہد وتقویٰ کے وہ نایاب گلستان، وہ ہیں نعت کے حسان، وہ ایوانِ فقاہت کے ہیں نعمان، بڑا اعلیٰ ہے کردار

رضوی رنگ میں رنگ جاؤ مرے یار، اعلیٰ حضرت پہ دل وجاں ہے نثار

جانِ رحمت پہ سلام ایسا ہے مقبول، کہ سب اہلِ سنن کا بنا معمول، جو ہے عشق سے معمور، زمانے میں ہے مشہور، نہ کم ہوگی کبھی دھوم
اُن کے قدموں کے نشاں، فیض رساں، مسلکِ حق، مشربِ حق، راہِ جناں، ہوگا یوں ہی ذکرِ رضا وردِ زباں دل کی پُکار

رضوی رنگ میں رنگ جاؤ مرے یار، اعلیٰ حضرت پہ دل وجاں ہے نثار

کشورِ علم کے بے مثل شہنشاہ کے دربار میں، گُل ہائے وفا، لے کے فریدیؔ ہے کھڑا بہرِ قبول
کاش مل جائیں اِسے لعلِ کرم، جس سے بھرے، دامنِ فن، جیبِ قلم، جس سے سجے خانۂ افکار

رضوی رنگ میں رنگ جاؤ مرے یار، اعلیٰ حضرت پہ دل وجاں ہے نثار

☆☆☆

امام احمد رضاؔ اور امیرؔ مینائی

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی مرحوم، بریلی شریف

امیر مینائی ۱۲۴۲ھ/ ۱۸۲۶ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت شاہ مینا علیہ الرحمہ تک پہنچتا ہے۔ ۱۸۵۲ء میں نواب واجد علی شاہ کی ملازمت انھیں حاصل ہوگئی۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں یہ لکھنؤ سے کاکوری چلے گئے اور محسنؔ کاکوروی کی صحبت نے انھیں نعت گوئی کی طرف مائل کیا۔ اس طرح شہرستان غزل سے چل کر امیرؔ جہانِ نعت میں داخل ہوئے۔ امیرؔ کے دیوان میں غزل، قصیدہ، مثنوی، مسدس، ترجیع بند اور رباعی وغیرہ اصناف شامل ہیں؛ البتہ غزلوں کی تعداد زیادہ ہے۔

شرعی اعتبار سے کلامِ امیر محفوظ نہیں ہے، انہوں نے کئی جگہ 'مدینہ' کو 'یثرب' لکھا ہے، جو شرعاً ممنوع ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی خامی ہے۔ ملاحظہ کریں۔ ؎

ہوں روانہ ہند سے جس دن یثرب کو امیرؔ
جو مجاور شہ کے روضہ کا ہو اس کو خواب ہو
یثرب سے ملک آئیں گے لینے تا ہند
یثرب کو جو ہم ہند کے کشور سے چلیں گے
ہو جائیں امیرؔ احمد بے میم پہ قرباں
خلعت احدیت کا بھی پایا شبِ معراج

(محامد خاتم النبیین، از: امیرؔ مینائی)

امیرؔ کے قصائد کا وہ ادبی اور علمی مرتبہ نہیں ہے جو ان کی غزلیات کا ہے۔ سیّد رفیع الدین رقم طراز ہیں:

''امیر کے تینوں قصائد میں چند مقامات پر مضمون آفرینی کے سوا اور کوئی خصوصیت نہیں۔''

(اُردو میں نعتیہ شاعری، ص ۲۹۶)

امیرؔ نے نعتیہ غزلوں میں معراج سے متعلق اپنی فن کاری کا عمدہ نمونہ پیش کیا ہے۔

''آج کی رات، شبِ معراج، رسول اللہ آتے ہیں'' وغیرہ کے الفاظ سے اپنی ردیفوں میں مؤثر فضا بندی کی ہے۔ ان کے علاوہ اسلوب، الفاظ، تراکیب، تشبیہ، استعارہ وغیرہ نے ان کی غزلوں میں نشاطیہ آہنگ اور حسن و تاثیر میں اضافہ کیا ہے۔ ؎

کس کے آنے کی فلک پر ہے خبر آج کی رات
آنکھ سورج سے ملاتا ہے قمر آج کی رات
اللہ نے خلوت میں بلایا شبِ معراج
کیا رتبۂ محبوب بڑھایا شبِ معراج
شبِ معراج ہے مہمان رسول اللہ آتے ہیں
چلیں حوریں بڑھیں غلماں رسول اللہ آتے ہیں

(محامد خاتم النبیین، از: امیرؔ مینائی، ص ۱۱۵، ۱۱۶)

اب معراج سے متعلق امام احمد رضاؔ کے اشعار دیکھیں۔ ؎

بندہ ملنے کو قریب حضرت قادر گیا
لمعۂ باطن میں گمنے جلوۂ ظاہر گیا
وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے
قصرِ دنیٰ کے راز میں عقلیں تو گم ہیں جیسی ہیں
روحِ قدس سے پوچھیے تم نے بھی کچھ سُنا کہ یوں

دونوں کے اشعار میں نزاکتِ خیال اور رفعتِ فکر واضح ہے۔

معراج کے موضوع پر امیرؔ نے ایک ترجیع بند لکھی ہے؛ جس کا انداز راویانہ ہے۔ رضاؔ کا قصیدۂ معراجیہ نشاط و آہنگ اور جمالیات و امیجری کا شاہکار ہے۔

امیرؔ کے اشعار دیکھیے۔ ؎

راہی ہوئے سرور دو عالم — خورشید علم ستارہ پرچم
دیکھی جب دور سے سواری — تسلیم کو گردنیں ہوئیں خم
کیا بزم تھی بزم لامکانی — جس بزم میں نور تھا نہ سایہ

بے فاصلہ میزبان و مہماں　　کیا قرب نے بعد کو مٹایا

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا اور ظاہری جمال سے متعلق بھی امیرؔ کے یہاں خوب صورت اشعار ہیں۔ ؎

خوبان عالم کی تجھے خالق نے دی ہے افسری　　گالوں پہ صدقہ حورعین بالوں پہ صدقہ ہے پری
اے کلک صورت آفریں صد آفریں　　اے بانک پن اس نوک کی دیکھی نہیں صورت گری
جن و بشر تسخیر ہیں سب صورت تصویر ہیں　　مازاغ کے سرمہ سے ہیں آنکھیں تری شوخی بھری
زہے نو بہار شبیہِ مبارک　　مصور نثار شبیہِ مبارک
جبیں وہ لوح کہ جس میں نقوش رحمت حق　　جمال پاک وہ نور خدا کہ صلے علیٰ
دہن وہ چشمۂ شیریں اگر نظر آئے　　کہے یہ چشمۂ آب بقا صلے علیٰ

(محامد خاتم النبیین، از: امیرؔ مینائی، متفرق صفحات)

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال اور سراپا سے متعلق رضاؔ کے اشعار ملاحظہ کریں۔ ؎

حور سے کیا کہیں، موسیٰ سے مگر عرض کریں　　کہ ہے خود حسن ازل طالب جانانِ عرب
ان کو یکتا کیا اور خلق بنائی یعنی　　انجمن کرکے تماشا کریں تنہائی دوست
میں تو کیا چیز ہوں خود صاحبِ قرآں کو شہا　　لاکھ مصحف سے پسند آئی بہارِ عارض
تاج روح القدس کے موتی جسے سجدہ کریں　　رکھتی ہیں واللہ وہ پاکیزہ گوہر ایڑیاں
معنی قَدْرَأیٰ مقصد ما طغیٰ　　نرگس باغ قدرت پہ لاکھوں سلام
وہ کمال حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں　　یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دُھواں نہیں
سرمگیں آنکھیں حریم حق کے وہ مشکیں غزال　　ہے فضائے لامکاں تک جن کا رمنا نور کا
وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا　　چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا　　اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام

رضاؔ کے اشعار میں سلاست و روانی کے ساتھ ساتھ شیفتگی کا انداز اور جو معنی آفرینی ہے وہ بھی واضح ہے۔

امیرؔ کی کچھ غزلیں بلاشبہہ زبان و بیان، شیفتگی اور جذباتِ محبت کے والہانہ اظہار کے

حسین ترنمونے ہیں۔ ؎

جب مدینہ کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں　　حسرت آتی ہے یہ پہنچا میں رہا جاتا ہوں
اللہ اللہ مدینہ جو قریب آتا ہے　　خود بخود سر پہ تسلیم جھکا جاتا ہے
یاد جب مجھ کو مدینہ کی فضا آتی ہے　　سانس لیتا ہوں تو جنت کی ہوا آتی ہے
مدینہ جاؤں دوبارہ پھر آؤں پھر جاؤں　　تمام عمر اسی میں تمام ہوجائے
کشتی مری تباہ ہے پار اے خدا لگے　　ایسی ہوا چلے کہ مدینے کو جا لگے
تن سے نکلے گی مرے جس دم امیرؔ　　روح جائے گی مدینے کی طرف
یاد شہ میں جو کوئی رات گزر جائے گی　　بہت اچھی مری اوقات گزر جائے گی

(محامد خاتم النبیین، از: امیرؔ مینائی، ص ۶۹، ۹۲، ۹۹)

شہرِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ وابستگی تو عاشق کی زندگی ہے۔

امیرؔ کے جذبہ کی شدت و پاکیزگی اور حسن جذبہ کو الفاظ میں تحلیل کردینے کا انداز بہت خوب ہے؛ اور فن و محبت دونوں کے کمال کا اظہار ہے۔

امام احمد رضاؔ بریلوی بھی امیرؔ کی طرح عاشق صادق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کے دل میں سگان کوچۂ محبوب اور دیارِ محبوب کے خار کا کیسا احترام ہے ملاحظہ کریں۔ ؎

رضاؔ کسی سگِ طیبہ کے پاؤں بھی چومے
تم اور آہ کہ اتنا دماغ لے کے چلے
اے خارِ طیبہ دیکھ کہ دامن نہ بھیگ جائے
یوں دل میں آ کہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو

اب چند اشعار مزید ملاحظہ کیجیے۔ ؎

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضاؔ سارا تو سامان گیا
قافلے نے سوئے طیبہ کمر آرائی کی
مشکل آسان الٰہی مری تنہائی کی
لے رضاؔ سب چلے مدینے کو
میں نہ جاؤں ارے خدا نہ کرے

نامِ مدینہ لے دیا چلنے لگی نسیم خلد
سوزشِ غم کو ہم نے بھی کیسی ہوا بتائی کیوں
کاش آویزۂ قندیل مدینہ ہو وہ دل
جس کی سوزش نے کیا رشکِ چراغاں ہم کو
سنگِ درِ حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے
جانا ہے سر کو جا چکے دل کو قرار آئے کیوں

مدینہ منورہ کے لیے رضاؔ کے دل میں جو تڑپ ہے؛ وہ شعروں سے ظاہر ہے۔

کمر آرائی کی ترکیب کس قدر لطیف ہے۔ دونوں کے اشعار سے دونوں کی تڑپ اور جمالیاتی اظہار عیاں ہیں۔ رضاؔ کا انداز زیادہ دل کش اور خیال میں نزاکت و بلاغت بھی امیرؔ کی بہ نسبت زیادہ واضح ہے۔

امیرؔ مینائی نے اپنی غزلوں میں سرکار ابد قرار علیہ التحیۃ والثناء سے ہر انداز میں والہانہ پن کا اظہار کیا ہے۔ مضمون آفرینی بھی خوب ہے اور زبان و بیان کی سلاست بھی خوب ہے۔ ان کا کلام تصوف کی مہک سے عطر بیز ہے۔

لیکن! موضوعات کا جو پھیلاؤ، رنگا رنگی، علمی شان اور دیگر ادبی و فنی اوصاف کلام رضاؔ میں موجود ہیں، کلام امیرؔ میں نہیں۔ بقول ڈاکٹر ریاض مجید:

''بحیثیت مجموعی امیرؔ مینائی نے نعت گوئی کی تاریخ میں قابلِ قدر اضافہ کیا۔ وہ اردو نعت کے شعرائے ماقبل کاقیؔ، لطفؔ اور تمنّاؔ مراد آبادی وغیرہ اور شعرائے مابعد خصوصاً محسنؔ کاکوروی اور مولانا احمد رضا خاں وغیرہ کے درمیان ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔''

(اُردو میں نعت گوئی، ص ۳۶۲)

ہم عصر شعرا کا موازنہ ایک ادبی تنقید کا طریقہ ہے، مگر نعت نگاری محض ادبی فکر کاری نہیں۔ اس کا تعلق شعرا کی باطنی ارتباط سے بہت بنیادی ہے۔ اس ادبی فریضہ کی ادائیگی کے ساتھ یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ محسنؔ کاکوروی اور امیرؔ مینائی محض شعرا ہیں۔ انہوں نے اس مبارک میدان میں اپنی فکری توانائیوں کے جوہر خوب خوب دکھائے ہیں، مگر امام احمد رضا بریلوی

نے نعت نگاری شوق، شہرت یا فن شعر کے اظہار کمال کے لیے نہیں کی۔ ان کی نعت نگاری اس عاشق کی تڑپ کا منظر نامہ ہے جو علومِ دینیہ کے ساتھ ساتھ دُنیوی علوم و فنون کا منتہی ہونے کے باوجود بارگاہِ عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کورا کاغذ لے کر حاضر رہتا ہے، اور غیب سے مضامین مدحتِ رسول لفظی تصویروں کی شکل میں آموجود ہوتے ہیں۔ ان کی نعتوں کا مطالعہ بڑے خشوع و خضوع سے کیا جانا چاہیے۔ چوں کہ پتا نہیں کب کون سا لفظ بالکل اَن دیکھی دُنیا سے آئے اور ایک نیا جہان معنی کھول دے۔ کثیر مقامات ان کی نعتوں میں ایسے ملیں گے کہ اعلیٰ ترین شاعری کے دعوے دار بھی جس لفظ کا تصور نہیں کر سکتے، وہ ان کے فن کو نئی جہتوں سے آشنا کراتا نظر آتا ہے، اس لیے وثوق سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ امام احمد رضاؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری فکر و فن کے مسلمہ پیمانوں سے ناپی جانے والی شے نہیں، یہ محض عطیہ الٰہی معلوم ہوتی ہے اور واقعی جس عظیم قرآن پاک سے اس کا تعلق ہے اسی کے کرم خاص نے وہ معنویت ان کے الفاظ کو دی ہیں جو محض وہبی کہی جاسکتی ہے۔

☆☆☆

رباعی

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان

گل ہائے ثنا سے مہکتے ہوئے ہار
سقمِ شرعی سے ہیں منزہ اشعار
دشمن کی نظر میں یہ نہ کھٹکیں کیوں کر
ہیں پھول مگر ہیں چشمِ اعدا میں خار

حضور حجۃ الاسلام اور فقہ وافتا

محمد راحت خان قادری
بانی وناظم دارالعلوم فیضانِ تاج الشریعہ، بریلی شریف

فقہ کا لغوی معنی

فقہ کا معنی لغت میں کسی شئی کے مقصود کو پہنچنا ہے۔

حضرت علامہ شریف جرجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الفقه هو فی اللغة عبارة عن فهم غرض المتكلم من كلامه۔"(۱) یعنی فقہ کا معنی لغت میں متکلم کے مقصد کو اس کے کلام سے سمجھنا ہے۔

فقہ باب سمع یسمع سے مستعمل ہے اس کا اسمِ فاعل فاقہٌ کے بجائے فقیہٌ آتا ہے، جیسے سمیع بمعنی سامع۔ پھر اس کو علمِ شریعت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس صورت میں مصدر بلفظ فَقَاهت باب کرم یکرم سے مستعمل کیا جاتا ہے۔ فَقَاهت کے معنی فقیہ ہونے کے ہیں۔ "والعالم بالفقه فقيه" یعنی فقہ جاننے والا فقیہ ہے، اور محاورے میں کہا جاتا ہے:

"فلانٌ فَقَّهَه الله ای علمه الفقه وتفقه هو بنفسه" اور "مفاقهة" کے معنی فقہ میں بحث کرنے کے ہیں، اسی طرح لغت میں فقہ کا معنی "الشقّ والفتح" یعنی شق کرنا اور کھولنا ہے:

جیسا کہ علامہ زمخشری نے تعریف کرتے ہوئے اس جانب یوں اشارہ کیا ہے:

"الفقيه العالم الذی يشقّ الاحكام ويفتش عن حقائقها۔" فقیہ ایسے عالم دین کو کہتے ہیں جو شریعت کی تہیں کھولتا اور ان کے حقائق کی تفتیش کرتا ہے۔

فقہ کا اصطلاحی معنی

عام فقہائے کرام سے فقہ کی تعریف یوں منقول ہے:

"العلم بالأحكام الشرعية عن أدلتها التفصيلية"(۲) یعنی احکامِ شرعیہ کو ان کے تفصیلی دلائل کے ذریعہ معلوم کرنا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"معرفة النفس مالها وماعليها"(۳) ایسی حقیقی معرفت کہ جس کے ذریعہ انسان اپنا فائدہ اور نقصان معلوم کر سکے اس کا نام علم فقہ ہے۔

عمدۃ المتأخرین علامہ محمد امین ابن عابدین شامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کی وضاحت یوں کی ہے کہ اصولیوں کے نزدیک فقہ کی اصطلاحی تعریف اس طرح ہے:

"العلم بالأحكام الشرعية الفرعية المكتسب من أدلتها التفصيلية"

(۴) احکامِ شرعیہ کو تفصیلی دلائل سے جاننے کو فقہ کہتے ہیں۔

اسی میں ہے:

"وعند الفقهاء حفظ الفروع واقلهٗ ثلاث"(۵) فقہا کی اصطلاح میں فقیہ کا اطلاق اس پر ہوگا جو فروع کو یاد رکھے؛ اس کی اقل مقدار تین ہے۔

صوفیائے کرام (جو ایسی شریعت طریقت کے جامع ہوں؛ وصل مولیٰ کا حصول ہوتا ہو) کے نزدیک فقہ کی تعریف یوں ہے:

"الجمع بين العلم والعمل لقول الحسن البصری "انّما الفقيه المعرض عن الدنيا، الزاهد فی الآخرة البصير بعيوب نفسه"(۶) فقیہ اس کو کہتے ہیں جو علم وعمل کا جامع ہو۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ فقیہ وہ ہے جو دُنیا سے منھ موڑ کر آخرت کی طرف راغب اور اپنے عیوب پر واقف ہو۔

عہدِ قدیم میں علمِ فقہ کا مفہوم بہت وسیع تھا۔ اس کے دائرۂ بحث میں علمِ شریعت کے علاوہ علم الٰہیات اور علمِ طریقت کے مسائل بھی شامل تھے۔ شیخ الحدیث علامہ غلام رسول رضوی شرح مسلم الثبوت میں یوں لکھتے ہیں:

"انّ الفقه فی الزمان القديم كان مُتناوِلاًلعلم الحقيقة وهی الالٰهيات من مباحث الذات والصفات وعلم الطريقة وهی مباحث المنجيات و المهلكات وعلم الشريعة الظاهرة"(۷) یعنی علم فقہ زمانۂ قدیم میں علمِ حقیقت کو بھی شامل تھا، جسے علم الٰہیات کہتے ہیں کہ جس میں خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات سے بحث ہوتی ہے، اسی طرح نجات بخش اور ہلاکت آمیز چیزوں کا علم یعنی علمِ طریقت اور شریعتِ مطہرہ کے ظاہری علوم بھی اس علم کے دائرہ میں آتے تھے۔

البتہ بعد میں جب مسلمانوں کے تعلقات مختلف اقوام کے ساتھ قائم ہوئے تو علوم وفنون کا بھی تبادلہ ہوا اور وقت کے تقاضے کے مطابق عقائد وایمانیات کو عقلی دلائل سے مزین کیا گیا تو عقائد کے

مباحث مستقل ایک فن کی صورت اختیار کر گئے اور اس کو علمِ کلام سے موسوم کیا گیا؛ اس کے بعد فقہ کا مفہوم علمِ شریعت ظاہرہ میں محدود ہو گیا۔

علم فقہ کا موضوع

علم کا موضوع وہ ہوتا ہے کہ جس کے عوارض ذاتیہ سے اس علم میں بحث کی جائے۔ علم فقہ کا موضوع فعل مکلف ہے؛ اس حیثیت سے کہ وہ مکلف یعنی عاقل و بالغ ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی قدس سرہٗ السامی فرماتے ہیں:

"**وموضوعهٗ فعل المكلف ثبوتاً او سلباً**"(۸) یعنی علم فقہ کا موضوع ثبوتا یا سلبا فعل مکلف ہے۔

لہٰذا غیر مکلف کا فعل اس علم کا موضوع نہیں ہوسکتا کیوں کہ بچہ اور مجنون وغیرہ تکالیف شرعیہ کے مکلف ہی نہیں ہیں اور ان کی عبادات (نماز، روزہ وغیرہ) کی صحت عقلی ہے۔ ان کو اس کا حکم اس لیے دیا جاتا ہے تا کہ عادت ہو جائے اور بالغ ہونے کے بعد ترک نہ کریں؛ نہ کہ اس وجہ سے کہ وہ مخاطب ہیں۔ فعل مکلف کو چوں کہ حلال و حرام واجب و مستحب وغیرہ عارض ہوتے ہیں۔ اس لیے فقہ میں ان ہی سے بحث کی جاتی ہے۔ یہی فقہ کا موضوع ہے۔

علم فقہ کی غرض و غایت

اس علم کی غرض و غایت سعادت دارین ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی قدس سرہٗ السامی فرماتے ہیں:

"**وغايتهٗ الفوز بسعادة الدارين**"(۹) اس کی غرض دارین کی سعادت سے کامران ہونا ہے۔

یعنی فقیہ خود بھی دُنیا میں جہالت کی گھاٹیوں سے نکل کر علمِ نافع کی فضاؤں میں سفر کرتا ہے اور دوسروں کو بھی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تعلیم دیتا ہے؛ تا کہ جہالت کی تاریکیاں چھٹ جائیں، نورِ علم کی بلندیاں حاصل ہو جائیں، مالک جنت راضی ہو اور یہ نعیم جنت سے مالا مال ہو جائے۔

علم فقہ کا ماخذ

اس علم کا ماخذ آیاتِ قرآنیہ، احادیث احکامیہ اور اجماع و قیاس ہیں؛ فتاویٰ شامی میں ہے:

"**و استمداده من الكتاب والسنة والاجماع و القياس**۔"(۱۰) یعنی اس کا

ماخذ کتاب و سنت اور اجماع و قیاس ہے۔

شریعتِ محمدیہ میں حسبِ مراتب بالا احکام صادر کیے جائیں گے؛ اقوالِ صحابۂ کرام حدیث کے ساتھ ملحق ہوتے ہیں تو تعامل اجماع کے تابع کیا گیا ہے لیکن تحری و استصحاب حال قیاس کے تابع رہیں گے جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"**وأما الشريعة من قبلنا فتابعة للكتاب، وأما أقوال الصحابة فتابعة للسنة، وأما تعامل الناس فتابع للاجماع وأما التحري و استصحاب الحال فتابعان للقياس**۔"(۱۱) یعنی ہم سے پہلے کی شریعت کتاب کے تابع، اقوال صحابۂ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تابع، تعامل ناس اجماع کے اور تحری و استصحاب حال قیاس کے تابع ہے۔

علم فقہ کی اصل قرآن و حدیث میں

علم فقہ دیگر علوم و فنون کی طرح خود ساختہ نہیں ہے؛ بلکہ اس کا مرجع قرآن و حدیث ہیں۔ اور قرآن و حدیث میں اس کی بنیادیں موجود ہیں۔ قرآن و حدیث کے ساتھ فقہ کو ایسا گہرا تعلق ہے کہ فقہ کا لفظ بھی قرآن و حدیث ہی سے ماخوذ ہے۔ ویسے تو جا بجا قرآن میں تدبر، تفکر، تعقل اور شعور و ادراک کی دعوت عام ہے۔ لیکن ایک آیتِ مبارکہ میں بالکل صراحت کے ساتھ اہلِ ایمان کو تفقہ کی دعوت دی گئی ہے:

{وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ}(۱۲)

اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں، تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس اُمید پر کہ وہ بچیں۔(۱۳)

اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ہر شخص کو عالم و فقیہ بننا ضروری نہیں، البتہ جو چیزیں بندے پر فرض و واجب ہیں اور جو اس کے لیے ممنوع و حرام ہیں ان کا سیکھنا فرضِ عین ہے اور اس سے زائد علم حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے: علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔(۱۴)

دین کی سمجھ جس علم سے حاصل ہوتی ہے اسی کو فقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چوں کہ علم فقہ ہی

ایک ایسا فن ہے کہ جس کا تعلق بے شمار علوم وفنون سے ہے۔ رب تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

{وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا} (۱۵)

اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی۔ (۱۶)

اس آیتِ کریمہ میں مفسرین نے حکمت سے علم فقہ ہی مراد لیا ہے۔

حضور سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"لکلّ شئیٍ عماد و عماد هذا الدين الفقه" (۱۷)

یعنی ہر چیز کا ایک ستون ہے اور اس دین کا ستون علم فقہ ہے۔

"من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين" (۱۸)

اللہ تعالیٰ جس کے بارے میں بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے تفقہ عطا فرماتا ہے۔

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں واضح طور پر علما کی سب لوگوں پر اور تفقہ فی الدین کی تمام علوم پر فضیلت بیان کی گئی ہے۔ (۱۹)

مشکوٰۃ شریف کتاب العلم میں ہے کہ ایک موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"انّ الناس لكم تبعٌ وانّ رجالا يأتونكم من أقطار الأرض يتفقهون في الدين فاذا أتوكم فاستوصوا بهم خيراً" (۲۰)

بے شک لوگ تمہارے تابع ہیں اور بے شک تمہارے پاس تفقہ حاصل کرنے کے لیے لوگ زمین کے مختلف خطوں سے آئیں گے جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم انہیں خیر کی وصیّت کرنا۔

"والفقيه الواحد أشد على الشيطان من الف عابد" (۲۱)

اور ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے سخت وگراں ہوتا ہے۔ کیوں کہ عابد سے کسی کو نفع نہیں پہنچتا اور فقیہ لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیتا ہے، انہیں حرام وحلال کے مسائل بتلاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"تفقهوا قبل أن تسودوا" (۲۲) یعنی سردار بننے سے قبل علم فقہ حاصل کرلو۔

"مجلس فقه خير من عبادة ستين سنة" (۲۳)

فقہ کی مجلس میں شریک ہونا ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے۔

افتا

بے شک افتا یہ ایک پر خطر وادی ہے۔ لیکن اس کارِ خیر میں رب تبارک وتعالیٰ نے بہت فضیلت رکھی ہے۔ کیوں کہ مفتی انبیاے کرام علیہم افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کا نائب اور فرضِ کفایہ کو ادا کرنے والا ہوا کرتا ہے۔ افتا کا تعلق حقوق اللہ وحقوق العباد، سیاست وامارت، انفرادیت واجتماعیت، قوانین وجرائم اور عبادات ومعاملات غرض یہ کہ زندگی کے ہر شعبہ سے ہے۔

شارح بخاری علامہ مفتی شریف الحق امجدی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''فتویٰ دینا ساری دینی خدمات میں سب سے اہم، سب سے مشکل اور سب سے پیچیدہ کام ہے، اور ایسا کام جس کی کوئی انتہا نہیں۔ فقہاے کرام نے اگرچہ ہم پر احسان فرماتے ہوئے لاکھوں جزئیات کی تصریح فرمادی پھر بھی حوادث محدود نہیں۔ آئے دن سیکڑوں واقعات ایسے ہوتے رہتے ہیں کہ جن کے بارے میں کوئی جزئیہ کسی کتاب میں نہیں ملتا۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ ایک فقیہ اپنی بالغ نظری، نکتہ سنجی، دقیقہ بینی کی بدولت تائیدِ ایزدی سے صحیح حکم اخذ کرلیتا ہے، مگر یہ کام کتنا مشکل ہے اسے بتایا نہیں جاسکتا، جس کے سر پڑتی ہے وہی جانتا ہے۔'' (۲۴)

افتا کا لغوی معنی

افتا کا لغوی معنی ''جواب دینا'' ہے۔ اسی معنی کے لحاظ سے بادشاہِ مصر کا یہ قول اللہ ربّ العزت نے ذکر فرمایا ہے:

{يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ} (۲۵)

یعنی اے درباریو! تم میرے خواب کا جواب دو اگر تمہیں خواب کی تعبیر آتی ہو۔ (۲۶)

افتا کا اصطلاحی معنی

اصطلاحِ فقہا میں افتا کا معنی ''مسئلہ کا حکم اور شرعی فیصلہ بتانا'' اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

{يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ} (۲۷)

یعنی اے محبوب تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں، تم فرمادو کہ اللہ تمہیں کلالہ میں فتویٰ دیتا ہے۔ (۲۸)

علامہ سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"الافتاء بيان حكم المسئلة" (۲۹) حکمِ مسئلہ کو بیان کرنے کا نام افتا ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"الافتاء فانه افادة الحکم الشرعی"(۳۰)

یعنی شرعی فیصلہ سے آگاہ کرنے کو افتا کہتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"انما الافتاء أن تعتمد علی شئ و تبین لسائلك ان هذا حکم الشرع فی ما سئلت۔

وهذا لا یحل لأحد من دون ان یعرفه عن دلیل شرعی و الا کان جزافا و افتراء علی الشرع و دخولا تحت قوله عز وجل:{اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔}(۳۱){قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَی اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ۔}(۳۲)

یعنی افتا یہ ہے کسی بات پر اعتماد کر کے سائل کو بتایا جائے کہ تمہاری مسئولہ صورت میں حکم شریعت یہ ہے۔

یہ کام کسی کے لیے بھی اس وقت تک حلال نہیں جب تک اسے کسی دلیلِ شرعی سے اس حکم کا علم نہ ہو جائے ورنہ یہ غلط ہوگا اور شریعت پر افترا ہوگا، اور ایسا کرنے والا اللہ کے اس قول کا مصداق ہوگا:

[کیا تم خدا پر وہ بولتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔][فرماؤ کیا اللہ نے تمہیں اذن دیا، یا تم خدا پر افترا کرتے ہو۔]"(۳۳)

افتا کی فضیلت

افتا کی اہمیت وعظمت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ خداے تعالیٰ نے قرآنِ کریم کے اندر افتا کی نسبت خود اپنی جانب فرمائی ہے۔ ارشاد ہے{یَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ}(۳۴) یعنی اے محبوب تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں، تم فرما دو کہ اللہ تم کو کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔(۳۵)

اللہ رب العزت نے سب سے پہلے افتا کے منصبِ عظیم سے اپنے مظہرِ اتم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سرفراز فرمایا۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن انبیاے کرام علیہم افضل التسلیمات کو بھی اس دارِ فانی میں بھیجا تو ان کو اتنے علم سے سرفراز فرمایا کہ وہ اپنی قوم کی ضرورت کے مسائل حل کرسکیں۔ اسی وجہ سے اللہ

تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ کو علمِ فقہ حاصل کرنے کا حکم فرمایا اور ان کو تفقہ کی دعوت دی؛ تا کہ وہ اس علم کے ذریعہ قوم کے سوال کرنے پر ان کو حکمِ شرعی سے آگاہ کرسکیں اور قوم پر اتباعِ شریعت آسان ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

{فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ}(۳۶)

تو کیوں نہ ہوا کہ ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔(۳۷)

اس کی اہمیت وافادیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کام دینی خدمات میں سب سے زیادہ اہم ہے۔ اسی لیے فقہاے کرام نے فرمایا کہ جو عالم ایسا مرجعِ فتویٰ ہو کہ جس کو سنن رواتب پڑھنے کا موقع نہ مل سکے تو فجر کی سنتوں کے علاوہ دیگر سنن مؤکدات اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ فتاویٰ عالم گیری جلد اول ص ۸۹/ پر ہے:

"قال مشائخنا العالم اذا صار مرجعا فی الفتویٰ یجوز له ترك سائر السنن لحاجة الناس الی فتواه الا سنة الفجر کذا فی النهایة۔" یعنی مشائخِ حنفیہ نے فرمایا کہ جب عالم فتویٰ میں مرجع ہو جائے تو اس کے لیے فجر کی سنتوں کے علاوہ تمام سنتوں کا چھوڑنا جائز ہے، لوگوں کے اس کے فتویٰ کی حاجت کی وجہ سے، ایسا ہی نہایہ میں ہے۔

اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جو، نا جاننے والے ہیں ان کو حکم دیا کہ وہ معلوم کریں۔ آیت مبارکہ میں ہے:"فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔"(۳۸)

تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔(۳۹)

علماے کرام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تلاوتِ قرآن میں مشغول ہو اور اذان کی آواز آئے تو تلاوت روک کر اذان غور سے سنے اور اس کا جواب دے۔ لیکن اگر فقہا کی جماعت علمی تذکرے میں ہو تو ان کے لیے وہ حکم نہیں؛ تنویر الابصار و درِّ مختار میں ہے:

"ویجیب من سمع الأذان ولو جنبا لا حائضا و تعلیم علم و تعلمه بخلاف القرآن"اه ملخصاً۔ یعنی اذان کو جو سنے وہ جواب دے اگر چہ جنبی ہو حائضہ جواب نہ دے، نہ وہ جو علم کی تعلیم دینے یا حصولِ علم میں مشغول ہو، قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا جواب دے۔

اسی عبارت کے تحت علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں: "ای شرعی فیما یظهر ولذا عبر فی الجوهرة بقرائة الفقه"(۴۰)

یعنی علم سے مراد علم شرعی ہے اسی لیے جوہرہ میں فقہ کی قراءت فرمایا ہے۔

حضور حجۃ الاسلام قدس سرہ

اقلیم فقہ وافتا کی بلند پایہ شخصیت حضور حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ کا تعلق ایسے خاندان سے ہے؛ جس خاندان کی خدمات اس میدان میں ایک طویل زمانے کو محیط ہیں۔ آپ کے رشحاتِ قلم اور آپ کی تصنیفات وتحریرات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ صرف فقہ وفتاویٰ ہی نہیں؛ بلکہ تفسیر وحدیث، عقائد وکلام، عربیت و بلاغت، حسن انشا وکمالِ تفہیم، حالاتِ زمانہ سے آشنائی اور حکمت وتدبیر جیسے بہت سے محاسن کے جامع تھے۔

حضور حجۃ الاسلام قدس سرہ جہاں حسن وجمال، جود ونوال، وجیہ وخوبرو، صبر واستقلال اور تحمل و بردباری وغیرہ اوصاف کے مالک تھے؛ وہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم دین کی بیش بہا قیمتی نعمت سے بھی سرفراز فرمایا تھا، میدانِ علم وفن کے شہسواروں نے آپ کے اندر مندرجہ ذیل اوصاف کا مشاہدہ کیا ہے:

(۱) قاری قرآن (۲) محدث (۳) مفسر (۴) ادیب (۵) متکلم (۶) مناظر (۷) مترجم (۸) شارح (۹) مدرس (۱۰) مصنف (۱۱) اُصولی (۱۲) محقق (۱۳) ناقد (۱۴) مدبر (۱۵) مرشد وشیخ (۱۶) قائد ورہ نما (۱۷) محشی (۱۸) علامہ (۱۹) مدرس (۲۰) عامل (۲۱) خطیب (۲۲) شاعر (۲۳) صحافی (۲۴) مبلغ (۲۵) مفتی

آج بھی مندرجہ بالا دعوے کی تصدیق کے لیے آپ کی تحریرات کا مطالعہ کیا جاسکتا۔

فقہ وفتاویٰ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتنا بلند رتبہ عطا فرمایا اس کا اندازہ ان چار باتوں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

(۱) تعلیم وتربیت کس ماحول میں پائی؟

(۲) آپ نے فتویٰ نویسی کس سے سیکھی؟

(۳) آپ کی تصنیفات وفتاویٰ کا مقام ومرتبہ

(۴) فقہ وفتاویٰ میں آپ کے تلامذہ

حضور حجۃ الاسلام کی تعلیم وتربیت

ربیع النور ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ھ شہرِ عشق ومحبت، گہوارۂ علم وادب بریلی شریف میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ والد ماجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے تاریخی نام ''محمد'' رکھا،

پکارنے کے لیے ''حامد رضا'' تجویز فرمایا۔

آپ کی پیدائش جس مکان میں ہوئی تھی وہ مکان آپ کے دادا جان رئیس المتکلمین حضرت علامہ مفتی نقی علی خاں بریلوی قدس سرہ کا تھا اور ابھی دادا جان بھی بقید حیات تھے۔ انہوں نے علوم وفنون اپنے والد گرامی قدر قدوۃ الواصلین حضرت علامہ رضا علی خاں قدس سرہ سے حاصل کر کے فضل وکمال کی بلندیوں کو طے کر کے نوعمری ہی میں شہرتوں کو حاصل کیا تھا۔ علم وعمل، فکر ونظر، تصنیف وتالیف، درس و تدریس اور فہم وفراست میں بے مثال تھے۔ آپ کی پیدائش کے وقت والد محترم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی عمر مبارک ۲۰ رسال تھی۔ ایسے روشن تاب ناک ماحول میں آپ کا عہدِ طفلی شروع ہوا، ۶ رسال تک آپ نے اپنے دادا جان کی صحبت پائی، اور نقل و حکایت، بول چال کا ڈھنگ عام گھر والوں اور خصوصیت کے ساتھ اپنے دادا جان اور والد محترم سے سیکھا۔

جس طرح سے علامہ نقی علی قدس سرہ کو ان کے والد حضرت مولانا رضا علی نے خود تعلیم و تربیت دے کر علم وادب کا شہ سوار بنایا تھا۔ انہوں نے بھی اپنے شہزادے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری قدس سرہ کو تعلیم وتربیت کے سانچے میں ایسا ڈھالا تھا کہ جس کی مثال کوئی دوسرا پیش کرے؛ یہ مشکل امر ہے۔ اپنے باپ دادا کی طرح حضرت حجۃ الاسلام نے بھی تمام علومِ متداولہ کی تعلیم اپنے والد محترم سے ہی حاصل کی تھی اور اپنے معاصرین میں ممتاز ہوئے۔

طالب علمی کے زمانہ میں ہی آپ نے تدریس کا سلسلہ بھی والد بزرگ کے ایما پر شروع کر دیا؛ ایک طرف علم حاصل کرتے دوسری جانب دوسروں کی تربیت کے لیے کوشاں رہتے، اور اپنے والد اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی روش پر چلتے ہوئے زمانۂ طالب علمی میں درسیات کی اہم کتب پر حواشی بھی لکھے؛ جس پر آپ نے اپنے شیخ واستاذ اور والد گرامی اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے داد وتحسین بھی حاصل کی۔ خلیفۂ حضور حجۃ الاسلام علامہ ابراہیم خوشتر تحریر فرماتے ہیں:

''یہی وجہ ہے کہ پڑھنے کے زمانے ہی میں آپ نے درسیات کی امہات کتب، خیالی، توضیح تلویح، ہدایہ آخرین، بیضاوی، صحیح بخاری پر حواشی لکھ کر اپنے والد ذی شان کے زمانۂ تعلیم کی یاد تازہ کر دی، اور خود امام احمد رضا نے "قال الولد الاعز" لکھ کر اپنے متعلم صاحب زادے کی تحسین فرمادی۔''(۴۱)

حضور حجۃ الاسلام نے فتویٰ نویسی کس سے سیکھی؟

''تیرہویں صدی ہجری میں مولانا رضا علی بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء

میں بریلی کی سرزمین پر مسندِ افتا کی بنیاد ڈالی، اور ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء تک فتویٰ نویسی کا گراں قدر کام بحسن وخوبی انجام دیا۔ مولانا رضا علی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف خود مسندِ افتا کو زینت بخشی بلکہ اپنے فرزند سعید مولانا نقی علی بریلوی کو خصوصی تعلیم دے کر مسندِ افتا پر فائز کیا۔ مولانا نے مسندِ افتا پر رونق افروز ہونے کے بعد ۱۲۹۷ھ تک نہ صرف فتویٰ نویسی کا گراں قدر اور اہم فریضہ انجام دیا بلکہ معاصر علما وفقہا سے اپنی اعلیٰ علمی صلاحیت، بصیرت کا لوہا منوالیا۔'' (۴۲)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ کی فتویٰ نویسی کا آغاز ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء سے ہوتا ہے اور یہ سلسلۂ خدمت بے بہا ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء تک مسلسل جاری رہا۔ حضور حجۃ الاسلام قدس سرہ نے بھی فتویٰ نویسی اپنے والد بزرگوار سے سیکھی۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد فرماتے ہیں:

''۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء سے ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء تک امام احمد رضا کی خدمت میں رہ کر تربیت کے مراحل طے کیے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۵ء میں کارِ افتا کے لیے تیار کر دیا تھا۔ امام احمد رضا کے لیے فتوؤں میں حوالوں کی کتابیں نکالنا، سندوں کی عبارتیں تلاش کرنا آپ کے ذمے تھا، اس طرح فتویٰ نویسی کے لیے خود آپ بھی تیار ہو رہے تھے۔ ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں دار العلوم منظر اسلام، بریلی شریف کے آپ مہتمم ہوئے تو پھر یہ ذمہ داری حضرت مفتی اعظم مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ نے سنبھالی، جو آپ کے چھوٹے بھائی تھے، عمر میں آپ سے ۱۸ رسال چھوٹے تھے''۔ (۴۳)

علمائے حرم اور اعلیٰ حضرت

آپ کے شیخ واستاذ اور والد محترم کا رتبۂ علم وفضل کتنا بلند ہے اس کا اندازہ لگانا نہایت مشکل ہے، بڑی بڑی ڈینگیں مارنے والے بھی ان کی تحقیق کے آگے خود کو بونا تصور کرتے ہیں، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ کے علم وفضل کا اعتراف علمائے عرب وعجم کے ساتھ ساتھ ان لوگوں نے بھی کیا ہے جو آپ سے اختلاف رکھتے تھے۔ ذیل میں عرب کے مقتدر علما کے تاثر پیش کیے جاتے ہیں؛ جنہوں نے کھلے دل سے آپ کی وسعتِ علم کا اعتراف کیا ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن دھان مکی فرماتے ہیں:

"الذی شهد له علماء البلد الحرام بأنه السيد الفرد الامام۔" (۴۴) وہ جس کے متعلق مکہ معظّمہ کے علمائے کرام گواہی دے رہے ہیں کہ وہ سرداروں میں یکتا ویگانہ ہیں۔

شیخ عبداللہ نابلسی مدنی فرماتے ہیں:

"وهو لنا درة هذا الزمان و غرة هذا الدهر و الاوان۔۔۔سيد الشيوخ و الفضلاء الكرام يتيمة الدهر بلاتوان۔" (۴۵) وہ نادرِ روزگار، اس وقت اور اس زمانے کا نور، معزز مشائخ اور فضلا کے سردار، بلاتامل وہ زمانے کا گوہرِ یکتا۔

شیخ محمد عارف بن محی الدین ابن احمد فرماتے ہیں:

"فكلامه يدل على كمال علمه۔" (۴۶) ان کے کمالِ علم پر ان کا کلام دلالت کرتا ہے۔

علامہ شیخ محمد القاسمی دمشقی تحریر فرماتے ہیں:

"جامع الكمالات و الفضائل من الخط دون شرفه كل متطاول فانه ابن الفضل و أبوه و المذعن لفضله اعداؤه و محبوه، مقداره فی العلم جليل و مثله فی الأنام قليل۔" (۴۷) فضائل وکمالات کے ایسے جامع ہیں جن کے سامنے بڑے سے بڑا ہیچ ہے، وہ فضل کے باپ اور بیٹے ہیں۔ ان کی فضیلت کا یقین دُشمن ودوست دونوں کو ہے، ان کا علمی مقام بہت بلند ہے، ان کی مثال لوگوں میں بہت کم ہے۔

اعلیٰ حضرت غیروں کی نظر میں

"الفضل ماشهدت به الاعداء" کے تحت غیروں نے بھی آپ کے فضل وکمال کا اعتراف کیا ہے، ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

ابوالاعلیٰ مودودی نے یوں لکھا ہے:

''مولانا احمد رضا خاں صاحب کے علم وفضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے۔ فی الواقع وہ علوم دینی پر بڑی وسیع نظر رکھتے تھے اور ان کی اس فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں''۔ (۴۸)

مولوی ابوالحسن علی ندوی نے یوں اظہارِ خیال کیا ہے:

''جزئیات فقہ پر ان کو عبور حاصل تھا، ان کے زمانے میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔'' (۴۹)

بارگاہِ اعلیٰ حضرت تربیت گاہِ حجۃ الاسلام

حجۃ الاسلام علامہ مفتی حامد رضا قدس سرہ نے اپنے والد بزرگوار اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے فتاویٰ نویسی کی تربیت حاصل فرمائی تھی؛ کہ جن کے فضل وکمال پر اپنوں اور غیروں کی شہادتیں پائی جاتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی بارگاہ سے فیض حاصل کر کے حضرت علامہ امجد علی قدس سرہ صدر الشریعہ بنے تھے؛

بہت سے اساتذۂ علم وفن سے تعلیم حاصل کرنے کے باوجود آپ نے فرمایا:

''جو کچھ ہے سب آپ ہی کا فیض کرم ہے''۔(۵۰)

مجددِ وقت اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ میں ہی رہ کر علامہ ظفر الدین بہاری قدس سرہ نے ملک العلماء کا خطاب پایا تھا، اسی بارگاہ سے حصولِ علم کے بعد حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خاں قدس سرہ؛ مفتی اعظم کے منصب پر فائز ہوئے۔ یہ تو اساطین اُمت تھے جن کا علمی پایہ بہت بلند تھا۔

نابالغ بہشتی کی فقاہت

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ کی بارگاہ میں خدمت گزاری کے لیے جو بچے رہتے تھے وہ بھی عام بچوں سے الگ ہوتے اور آپ کے علمی فیضان کا اثر ان میں پایا جاتا۔ مترجم صحاح ستہ حضرت علامہ عبدالحکیم اختر خاں شاہ جہان پوری قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

''معلمین حضرات توجہ نہیں فرماتے اور نابالغ شاگردوں سے بغیر ان کے والدین کی اجازت کے خدمت لیتے رہتے ہیں اس سلسلے میں سید رضا علی صاحب کا یہ بیان ملاحظہ فرمائیے:

اعلیٰ حضرت کی زندگی میں احقر مسجد میں نماز پڑھنے گیا۔ حضرت کی مسجد کے کنوئیں پر ایک نابالغ بہشتی (سقہ) پانی بھر رہا تھا۔ میں نے جب لڑکے سے وضو کے لیے پانی مانگا تو اس نے جواب دیا: مجھے کوئی عذر نہیں ہے لیکن بڑے مولوی صاحب (یعنی اعلیٰ حضرت) نے مجھے کسی بھی نمازی کو پانی دینے سے منع فرما دیا ہے اور بتایا ہے کہ جو وضو کے لیے پانی مانگے اس سے صاف صاف کہہ دینا کہ میرے بھرے ہوئے پانی سے آپ کا وضو نہیں ہوگا، کیوں کہ میں نابالغ ہوں۔''(۵۱)

مفتی آگرہ حضرت علامہ سید دیدار علی شاہ الوری قدس سرہ بانی حزب الاحناف لاہور کے بھی اسی طرح کے ایک واقعہ کو ملک العلماء حضرت علامہ ظفر الدین بہاری قدس سرہ نے یوں بیان فرمایا ہے:

''مولوی محمد حسین صاحب میرٹھی موجد طلسمی پریس کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا دیدار علی صاحب الوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف لائے، جماعت کا وقت تھا، مسجد کے کنوئیں پر ایک بہشتی کا لڑکا پانی بھر رہا تھا، جلدی کی وجہ سے اس لڑکے سے پانی طلب فرمایا، اس نے کہا کہ مولانا! میرے بھرے ہوئے پانی سے آپ کو وضو کرنا جائز نہیں اور نہیں دیا۔ مولانا کو غصہ آیا اور فرمایا کہ ہم جب تجھ سے لے رہے ہیں تو کیوں جائز نہیں؟ اس نے کہا مجھے دینے کا اختیار نہیں، میں نابالغ ہوں۔ مولانا کو اور غصہ آیا، جماعت ہو رہی ہے اور یہاں اور دیر لگ رہی ہے۔ فرمایا: آخر تو جہاں جہاں پانی

دیتا ہے ان کا وضو کیسے ہو جاتا ہے؟ اس نے کہا: وہ لوگ تو مجھ سے مول لیتے ہیں، اور غصہ آیا مگر اس نے نہیں دیا۔ آخر کار خود بھرا اور جلدی جلدی وضو کر کے نماز میں شریک ہوئے۔ جب غصہ کم ہوا اور سلام پھیرا تو خیال آیا کہ وہ بہشتی کا لڑکا از روئے فقہ صحیح کہتا تھا۔ دیدار علی! تم سے تو اعلیٰ حضرت کے یہاں کے خدمت گاروں کے بچے بھی زیادہ علم رکھتے ہیں۔ یہ سب اعلیٰ حضرت کے اتباعِ شریعت کا فیض ہے۔''(۵۲)

حجۃ الاسلام کی سند فقہ حنفی

آپ کا سلسلۂ حدیث حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے واسطہ سے منسلک ہے۔ فقہ میں آپ کا سلسلہ والد ماجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے واسطہ سے شیخ عبدالرحمٰن مکی سے منسلک ہے، جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔

''حجۃ الاسلام کی یہ سندِ عالی آپ کے والد ماجد امام احمد رضا کے ذریعے ۲۸ رواسطوں سے امام اعظم ابوحنیفہ تک؛ پھر امام اعظم سے حضرت امام حماد بن سلیمان، امام ابراہیم نخعی، حضرت علقمہ، حضرت اسود، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واسطوں سے حضرت سید المرسلین شارع شرع مبین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔''(۵۳)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ کی اس سند کی خوبی یہ کہ اس میں تمام اساتذہ ومشائخ حنفی ہیں۔ اور یہ سند فتاویٰ رضویہ، قدیم، ج:۱، ص:۵ر پر موجود ہے۔ حضرت علامہ مفتی حنیف صاحب بریلوی لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت کے دوسرے حج وزیارت ۱۳۲۳ھ کے موقع پر ساتھ تھے۔ مکہ مکرمہ میں ''شیخ محمد سعید بابصیل'' اور مدینہ طیبہ میں ''علامہ سید برزنجی'' کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ اکابر علمائے حرمین نے سندیں عطا کیں۔ ''علامہ خلیل خربوطی'' نے سند فقہ حنفی عطا فرمائی جو صرف دو واسطوں سے ''علامہ طحطاوی'' تک پہنچتی ہے۔''(۵۴)

حضور حجۃ الاسلام کی خدمات فتاویٰ میں دُنیا سے بے نیازی

حضور حجۃ الاسلام کے والد محترم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ نے جس طرح دُنیا کو ٹھکرا کر صرف دین کے لیے اپنی زندگی گزاری اور کھلے لفظوں میں اظہار فرما دیا ؎

کروں مدح اہلِ دول رضاؔ پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

نائبِ امام احمد رضا؛ حضور حجۃ الاسلام قدس سرہ نے بھی قناعت اور دُنیاوی مال وزر سے بے نیازی کے معاملہ میں اپنے والد بزرگوار کے نقشِ قدم پر چلنا پسند کیا اور ہمیشہ دُنیا داری سے دور ونفور رہے۔ ذیل میں اپنے دعوے کی تصدیق میں دو اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں:

''ان کے صاحب زادے حضرت مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ جن سے مجھ کو چند دن فیض حاصل کرنے کا موقع ملا۔ بڑے حسین وجمیل، بڑے عالم، بے انتہا خوش اخلاق تھے۔ ان کی خدمت میں بھی نظامِ حیدرآباد نے دارالافتاء کی نظامت کی درخواست کی اور اس سلسلے میں کافی دولت کا لالچ دیا، تو آپ نے فرمایا: کہ میں جس دروازۂ فدائے کریم کا حقیر ہوں میرے لیے وہی کافی ہے۔'' (۵۵)

قناعت اور دُنیاوی مال وزر سے بے رغبتی کا معاملہ صرف کارِ افتا تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ دُنیا سے بے نیازی اور مال ودولت سے مفر ان کا طرۂ امتیاز تھا اور وہ اپنے والد محترم کی روش پر اچھی طرح سے قائم تھے، جس کا اندازہ آپ کے اس مکتوب سے اچھی طرح ہوسکتا ہے۔ اپنے ایک عزیز کو یوں تحریر فرماتے ہیں:

''عزیزم مولوی امانت رسول سلمہ کا خط دیکھا مولیٰ تعالیٰ انہیں دونوں جہان کی نعمت سے سرفراز کرے۔ ان کی ہم دردی کا شکریہ! دل سے دعاے خیر کے سوا کیا ہوسکتا ہے۔ مگر فقیر کوئی زبردست دُنیادار عبدالدرہم عبدالدینار فقیر نہیں۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کی روش میرے لیے بہترین اسوہ ہے۔ میں نے ناظم نلگنڈہ عزیز محترم منشی شیخ محمد حسین صاحب مرحوم کی تحریک پر جب بارہ سو (۱۲۰۰) روپیے ماہ وار کی جگہ پر نظر نہ کی تو اب چھ سو (۶۰۰) روپیے کی ملازمت کرکے کیا دُنیا طلبی کروں گا۔ نواب رامپور نے پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) روپیے خانقاہ شریف کے نام سے دینے کا لالچ دیا اور بار باران کے خطوط بنامِ فقیر آئے۔ مگر الحمدللمولیٰ تعالیٰ کہ فقیر نے اصلا توجہ نہ کی۔ مولیٰ تعالیٰ دینِ حق کا خادم رکھے اور اس کی سچی خدمتوں کی توفیق رفیق فرمائے اور خلوص نیت واخلاص عمل کے ساتھ خالصا لوجہ اللہ خدمتِ دین نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم پر جلائے۔ اسی پر مارے اور اسی پر محشور فرمائے۔ آمین! میں جب کبھی حیدرآباد گیا ان سے ملوں گا انھیں مطلع کروں گا۔ یہ میرا کام نہیں کہ میں اپنی مبالغہ آمیز تعریفوں کے اشتہار چھپوا کر وہاں بھیجوں اور دُنیا سازی سے طلبِ دُنیا کا جال بچھاؤں۔ جب جاؤں گا اپنے کسی عزیز کے یہاں قیام کروں گا جس سے میرا روحانی یا خون کا رشتہ ہوگا، بڑے بڑے رؤسا سے میرا کوئی علاقہ وواسطہ نہیں۔

رہی دین کی خدمت وہ جس طرح میرا رب مجھ سے لے میں اس کے لیے ہر وقت حاضر ہوں۔ والدعا

فقیر محمد حامد رضا خاں غفرلہٗ

خادم سجادہ وگدائے آستانہ رضویہ، بریلی شریف

دوم شعبان الخیر ۱۳۵۲ھ روز دوشنبہ (۵۶)

اپنی ذات پر فتویٰ

انسان میں یہ فطری کم زوری ہے کہ وہ اپنے لیے ہر ممکن آسانی کی جستجو میں رہتا ہے، گنجائش اور رعایت کا پہلو تلاش کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا، یہاں تک کہ کچھ لوگ بلا وجہ میں تعامل اور حالاتِ زمانہ کی رعایت کی رٹ لگا کر یا قارو غیر قار کا بہانہ کرکے ٹی وی ویڈیو میں آنے والی تصاویر جیسی حرام وقبیح چیز کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ اس کو مستحب ومستحسن ثابت کرکے مساجد میں داخل کرکے مساجد کی حرمت کو پامال کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے خاص بندے نہ صرف خود کو احکامِ شرع مطہرہ کا پابند ہی بناتے ہیں؛ بلکہ وہ رُخصت کی جگہ عزیمت اور فتویٰ کی جگہ تقویٰ اختیار کرکے مواخذے سے بچنے کی حتی الامکان کوشش کرتے ہیں۔ حجۃ الاسلام قدس سرہ کی عزیمت کا حیرت انگیز واقعہ ملاحظہ فرمایئے:

پشت پر کاربنکل پھوڑا نکل آیا، آپریشن کی نوبت آئی، بے ہوشی کے لیے دوا نہ کھائی کہ شراب ہے، بلکہ ع

جب یاد آگئے ہو سب غم بھلا دیے ہیں

کا مصداق بن کر حضور رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنے میں مشغول ہوگئے۔ درود وسلام کا وِرد کرتے رہے، آپریشن ہوتا رہا، بے چین وپریشان ہونا تو دور کی بات اُف تک نہ کیا، دیکھنے والے آپ کے بے مثال تقویٰ وعزیمت کو دیکھ کر حیران تھے۔

اس کی تفصیل محترم قبلہ مفتی ذوالفقار خاں تعیمی نے عنوان ''حضور حجۃ الاسلام کی علالت ووصال پر چند تاریخی حوالے'' میں جمع کی ہے، جس کی پہلی قسط ماہ نامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف میں شائع ہوچکی ہے، [مکمل مقالہ سال نامہ یادگارِ رضا ممبئی میں چھپ چکا ہے] اس کا ایک طویل اقتباس نقل کیا جاتا ہے:

''لیکن حضور پُرنور حجۃ الاسلام مدظلہ نے آپریشن کے وقت ضبط وتحمل اور صبر واستقلال کی جو شان قائم فرمائی اس نے اس حقیقت کو ایک ناقابلِ انکار حقیقت بنا دیا کہ خدا کے وہ برگزیدہ بندے جن میں روحانیت کا عنصر غالب ہوتا ہے جسمانی تکالیف کی بجلیاں ان کے خرمنِ تحمل پر ذرہ برابر اثر نہیں کرسکتیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس مقالہ میں حضرت اقدس کے ضبط وتحمل اور صبر واستقلال کا ایک

مختصر سا خاکہ ضرور کھینچوں تا کہ حضرت اقدس کا یہ اسوہ ہر موقع پر ہر مبتلاے مصائب وآلام کے سامنے ضبط وتحمل اور صبر واستقلال کا درس پیش کرتے رہے۔ محرم کی بیس تھی، بدھ کا دن تھا، صبح کے چھ بجے تھے، اس خبر سے آج حضرت اقدس کے پھوڑے کا آپریشن ہونے والا ہے آستانۂ عالیہ رضویہ پر مخلوق کا ایک غیر معمولی ہجوم تھا۔ ڈاکٹر آئے آپریشن کی تیاریاں ہوئیں، ڈاکٹروں نے رحم کا لباس اُتارا، بے رحمی کا جامہ پہنا، یہ وہ نازک وقت تھا کہ حضار کے قلوب میں خوف ہیبت اور بیم وہراس سے ایک غیر معمولی لرزش تھی، اس لیے کی جس آپریشن کی تیاریاں ہو رہی تھیں یہ کوئی معمولی آپریشن نہ تھا۔ مگر حضرت اقدس مدظلہ پر اس آنے والی تکلیف سے جس کے تصور نے حضار کے دل ہلا دیے تھے ذرہ برابر ہراس نہ تھا۔ آپریشن کے وقت کسی مسکر یا نشہ آور دوا کا استعمال نہیں کیا گیا۔ آپریشن اور عمل جراحی کے لیے جب ڈاکٹروں کے ہاتھ پھوڑے پر پہنچے، اس وقت حضرت اقدس پر ایک سکون طاری تھا۔ ڈاکٹروں نے پہلے پھوڑے کے ہر چہار طرف انجیکشن کیے اور ان کے بعد عملِ جراحی شروع ہوا۔ جو لوگ انجیکشن کی تلخیوں اور بدمزگیوں سے آشنا ہیں وہ اس سے اچھی طرح واقف ہیں کہ تندرست انسان کے صحیح وسالم حصۂ بدن پر انجیکشن کا ہونا روحانی اذیت کا باعث ہوتا ہے، مگر باوجود اس کے کہ پھوڑے میں متعدد انجیکشن کیے گئے لیکن اس مجسمۂ صبر وتحمل کی زبان سے ایک لفظ بھی ایسا نہ نکلا جو کرب و بے چینی یا اضطراب وتکلیف کی ایک ادنیٰ سی ترجمانی کر سکتا۔ انجیکشن کے بعد آپریشن کا آغاز ہوا شگاف کیے گئے، گو یہ ضرور ہے کہ شگاف گہرے کیے گئے مگر شگاف کی تکلیف کوئی ایسی تکلیف نہیں ہوتی جس کی تاب نہ لا کر ایک انسان اپنے جامۂ صبر وقرار کو تار تار کر دے، لیکن شگاف کے بعد جب پھوڑے کے اندرونی حصہ میں آپریشن کے آلات سے کام لیا گیا، فاسد گوشت کی قطع وبرید کی گئی اور پھوڑے کے ناقص اجزا کو تراش تراش کر باہر لایا گیا یہ تکلیف ایک ایسی تکلیف تھی جس کا تصور اس وقت بھی میرے دل ودماغ پر ایک پریشان کن اور وحشت افزا اثر کر رہا ہے۔ اور یہ وہ تکلیف تھی جس کا تحمل ایک جری سے جری انسان کی جرأت وشجاعت بھی کسی طرح نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن حضرت اقدس کی روحانی طاقتوں نے اس شدید اور ناقابلِ برداشت تکلیف کا اس بے نیازی کے ساتھ تحمل کیا کہ جسم نازک پر ایک خفیف سا تحرک اور ایک ہلکی سی بھی لرزش نہ پیدا ہو سکی۔ زبان سے اُف تک نکالنا کرب و بے چینی کا ظاہر کرنا اس کا تو مذکور ہی کیا۔ آپریشن کے وقت یہ حیرت خیز منظر قابلِ دید تھا کہ حضرت اقدس پر ایک سکون مطلق طاری تھا اور آپ اطمینان کے ساتھ محوِ استراحت تھے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ زخم پر نشتر عمل جراحت کر رہا تھا یا کسی پھول کی ایک نرم ونازک رگ تھی جو پھوڑے سے مس کر رہی تھی۔ (۵۷)

آپ کی تصنیفات وفتاویٰ

(۱) مجموعۂ فتاویٰ المعروف بہ فتاویٰ حامدیہ

(۲) الصارم الربانی علی اسراف القادیانی

(۳) نعتیہ دیوان

(۴) تمہید وترجمہ الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ

(۵) الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ

(۶) تمہید کفل الفقیہ الفاہم فی أحکام قرطاس الدراہم

(۷) تاریخی نام، خطبہ الوظیفۃ الکریمۃ

(۸) سد الفرار

(۹) سلامۃ اللہ لاہل السنۃ من سبیل العناد والفتنۃ

(۱۰) حاشیۂ ملا جلال (قلمی)

(۱۱) کنز المصلی پر حاشیہ

(۱۲) اجلی انوار الرضا

(۱۳) آثار المبتدعین لہدم حبل اللہ المتین

(۱۴) وقایہ اہلِ سنّت، حاشیہ مکتوباتِ امام احمد رضا خاں

مذکورہ تصانیف کی فہرست ''تذکرۂ جمیل'' مصنفۂ علامہ ابراہیم خوشتر قدس سرہ سے ماخوذ ہے، اس فہرست کو انہوں نے نامکمل بتایا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ آپ کی کچھ تحریریں اور بھی ہیں جن پر مصنف کو اطلاع نہ ہو سکی۔

(۱۵) اجتناب العمال عن فتاویٰ الجہال

فتاویٰ حامدیہ

"الصارم الربانی علی اسراف القادیانی" اور "اجتناب العمال عن فتاویٰ الجہال" یہ دونوں رسالے آپ کے مجموعۂ فتاویٰ ''فتاویٰ حامدیہ'' میں شامل ہیں۔ فتاویٰ حامدیہ کے شروع میں ان دونوں رسالوں پر فتاویٰ حامدیہ کے مرتب حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم نشتر فاروقی نے تبصرہ وتعارف بھی پیش فرمایا ہے۔ علامہ نشتر فاروقی نے فتاویٰ حامدیہ کی جمع وترتیب کا کام

کرنے میں پیش رفت فرمائی، اس کے لیے وہ پوری جماعت کی جانب سے قابلِ مبارک باد ہیں، البتہ اب فتاویٰ حامدیہ کے اگلے ایڈیشن میں اس بات کا خیال رکھنا بھی از حد ضروری ہے کہ اس کو کتابت کی اغلاط سے صاف کیا جائے، کیوں کہ موجودہ نسخے میں کتابت کی بہت غلطیاں ہیں۔

جس نے بھی حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہ کی خدمتِ دینیہ پر جو بھی کام کیا وہ قابلِ مبارک باد ہے؛ لیکن مجموعی اعتبار سے حضرت حجۃ الاسلام پر جو کام ہونا چاہیے جو کہ تمام سنیوں پر عموماً اور ہم وابستگانِ سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ پر خصوصاً قرض ہے، جو کام ہونا چاہیے اس کے مقابلہ میں کیا ہوا کام بہت زیادہ کم بلکہ نہ کے برابر ہے۔ فتاویٰ حامدیہ ہی کو دیکھیے اس میں صرف ۱۳ رفتاویٰ درج ہیں۔ جن کے صفحات کی تفصیل استفتا اور تصدیقات کو شامل کر کے یوں ہے:

پہلا فتویٰ

یہ فتویٰ حضور مفتی اعظم قدس سرہ کے ایک فتویٰ کی تصدیق ہے؛ فتویٰ و تصدیق فتویٰ ۱۳ر صفحات پر مشتمل ہے۔

دوسرا فتویٰ

اس کا تاریخی نام "الصارم الربانی علی اسراف القادیانی" ہے، یہ سو(۱۰۰) صفحات پر مشتمل ہے۔

تیسرا فتویٰ

یہ فتویٰ ۳ر صفحات پر مشتمل ہے۔

یہ فتویٰ خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا جمیل الرحمٰن خان بریلوی قدس سرہ کے استفتا کے جواب میں ہے جو کہ ۱۴ر صفحات پر مشتمل ہے اور یہ فتویٰ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری، مفتی اعظم علامہ مصطفیٰ رضا، صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی اور برادرِ اعلیٰ حضرت علامہ محمد رضا خاں قادری رحمہم اللہ کی تصدیقات سے مزین ہے۔ یہ فتویٰ جمعہ کی اذانِ ثانی کے خارجِ مسجد ہونے کے متعلق ہے، اس کو ثابت کرنے کے لیے اس زمانے کے مدینہ منورہ کے مشہور عالم دین ''حضرت علامہ مفتی شیخ احمد الجزائری الحسینی مفتی مالکیہ مدینہ منورہ'' اور ''حضرت علامہ مفتی شیخ محمد توفیق ایوبی حنفی'' مدرس حرم نبوی شریف کے دو فتوؤں کو بھی شامل کیا ہے، جس میں حنفی و مالکی دونوں مفتیوں نے جمعہ کی ''اذانِ ثانی'' کو داخل مسجد دلائل کے ساتھ مکروہ فرمایا ہے۔

چوتھا فتویٰ

یہ فتویٰ صرف ایک صفحہ پر مشتمل ہے۔

پانچواں فتویٰ

یہ فتویٰ ۲ر صفحات پر مشتمل ہے۔

چھٹا فتویٰ

یہ فتویٰ ۳ر صفحات پر مشتمل ہے۔

ساتواں فتویٰ

یہ فتویٰ ۶ر صفحات پر مشتمل ہے۔

آٹھواں فتویٰ

یہ فتویٰ ایک ۶ر ورقی رسالہ ضروری سوال محققانہ رد ہے، جس میں یہ تحریر کیا گیا تھا کہ قنوتِ نوازل کے لیے غلبۂ کفار شرط ہے۔ پہلے اسی سلسلہ میں اسی مسئلہ کے بارے میں حضرت علامہ مفتی نواب مرزا بریلوی قدس سرہ کے فتویٰ کو شامل کیا گیا ہے، اس کے بعد آپ کا تفصیلی جواب ہے۔ اخیر میں مشاہیر علمائے کرام کی تصدیقات ہیں۔ یہ تمام تفصیلات ۱۵۶ر صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔

نواں فتویٰ

یہ فتویٰ ایک صفحہ سے کچھ زیادہ ہے۔

دسواں فتویٰ

یہ فتویٰ ۱۷ر صفحات پر مشتمل ہے۔

گیارہواں فتویٰ

یہ فتویٰ ۶ر صفحات پر مشتمل ہے۔

بارہواں فتویٰ

یہ فتویٰ ۲ر صفحات پر مشتمل ہے۔

تیرہواں فتویٰ

یہ فتویٰ ترجمہ کے ساتھ ۸ر صفحات پر مشتمل ہے۔

یہ صرف ۱۳ر فتاویٰ کی تفصیل ہے۔ فتاویٰ کی اس تفصیل سے اس بات کا اندازہ کرنا کوئی

مشکل نہیں کہ اگر آپ کے تمام فتاویٰ محفوظ ہوتے تو فقہ حنفی کی کتب میں ایک ضخیم اضافہ ہوتا لیکن افسوس! وہ مکمل ذخیرہ محفوظ نہ ہوا، اور نہ ہی بعد کے لوگوں نے آپ کے فتاویٰ کی جمع وترتیب کا خاص انتظام و اہتمام کیا۔ الا ماشاء اللہ

اب بھی کچھ لوگوں کی زبانی سنا ہے کہ فلاں، فلاں کے پاس حضور حجۃ الاسلام کی تحریرات ہیں؛ لیکن وہ نہیں نکالتے اگر ایسی صورتِ حال ہے تو بلا وجہ ایسا کرنے والے یقیناً مجرم ہیں، آج گلشنِ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے تمام پھول حامدی چمن سے ہیں، انہیں سے ان کا نسبی سلسلہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ سے جڑتا ہے۔ عموماً تمام محبینِ اعلیٰ حضرت خصوصاً تمام افراد خانوادۂ رضویہ پر یہ دینی واخلاقی فریضہ ہے کہ حضور حجۃ الاسلام قدس سرہ کی تحریرات کے حصول واشاعت کے لیے حتی الامکان کوشش کریں۔

فقہی جزئیات کا استحضار

آپ کی بارگاہ میں ۱۳۱۵ھ کو ایک سوال آیا، جس کا حاصل یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہم افضل الصلوات والتسلمات وفات پا گئے، یا بجسدہ العنصری ذی حیات جسمانی آسمان پر اُٹھا لیے گئے؟ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد جب رجوع فرمائیں گے تو وہ نبوت ورسالت سے خود مستعفی ہوں گے یا اللہ تعالیٰ ان کو معزول فرمائے گا؟ اس سوال میں زور اس بات پر دیا گیا تھا کہ موقف پر کوئی ایک آیت جو صریح اور قطعی الدلالت ہو یا اس مضمون کی کوئی حدیث مرفوع متصل ہو۔

ایک عام مفتی جب اس سوال کا جواب لکھتا تو اس میں وہ نفسِ جواب پر اکتفا کرتا، لیکن حضرت حجۃ الاسلام نائب امام احمد رضا (رحمہا اللہ) تھے، جس طرح اعلیٰ حضرت قدس سرہ کبھی نفسِ جواب پر اقتصار کیا کرتے تھے اور کبھی دلائل و براہین کے دریا بہاتے تھے، وہی جھلک آپ کے اس نائب میں نمایاں ہے، جس کے لیے آپ نے فرمایا تھا:

''حامد منی وانا من حامد''

ایک دعوت میں جب اعلیٰ حضرت قدس سرہ شرکت نہ کر سکے تو حجۃ الاسلام قدس سرہ کے متعلق دعوت دینے والے صاحب کو یوں تحریر فرمایا:

''حامد رضا کو بھیج رہا ہوں، یہ میرے قائم مقام ہیں، ان کو حامد رضا نہیں، احمد رضا ہی سمجھنا۔''(۵۸)

وصال سے کچھ دن پہلے آپ کی نیابت کو یوں واضح فرمایا:

''ان کی بیعت میری بیعت ہے، ان کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے، جو ان کا مرید ہوا میرا مرید ہوا، ان سے بیعت کرو''۔(۵۹)

طرزِ رضا کو اختیار کرتے ہوئے کبھی تو نفسِ جواب پر ہی اکتفا کیا اور کبھی ایک ہی جواب میں اتنے دلائل پیش کیے کہ موافقین داد وتحسین کے بغیر نہ رہ سکے اور مخالفین کو لب کشائی وانگشت نمائی کی جرأت نہ ہوئی۔ حضور حجۃ الاسلام نے سوال کے ساتھ ساتھ سائل کے منشا کو بھی پرکھ لیا اور استفتا کے جواب سے قبل عام فہم اور مختصر انداز میں ایمان کی عظمت اور اس کی ضرورت کو بیان کر کے مسلمانوں کو اس کی حفاظت کی تنبیہ فرمائی۔

اس کے بعد حق کو واضح کرنے کے لیے ۵ رمقدمات بیان کیے۔ جن کی تفصیل اس طرح ہے:

مقدمۂ اولیٰ

اس میں قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی روشنی میں گم راہوں کی پہچان اور ضرورتِ تقلید نہایت دل نشیں طریقہ سے بتائی ہے، ثبوت میں آیات واحادیث اور بزرگانِ دین کے اقوال پیش کیے ہیں۔

تفہیم کا دل نشیں انداز

اسی مقدمۂ اولیٰ میں حضرت امام سفیان بن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول "الحدیث مضلة الا الفقهاء" (یعنی حدیث گم راہ کر دینے والی ہے مگر ائمہ مجتہدین کو) نقل فرمانے کے بعد یوں تحریر فرماتے ہیں:

''تو وجہ وہی ہے کہ قرآن مجمل ہے جس کی توضیح حدیث نے فرمائی، اور حدیث مجمل ہے جس کی تشریح ائمۂ مجتہدین نے کر دکھائی، تو جو ائمہ کا دامن چھوڑ کر قرآن وحدیث سے اخذ کرنا چاہے بہکے گا، اور جو حدیث چھوڑ کر قرآن مجید سے لینا چاہے وادیِ ضلالت میں پیاسا مرے گا، تو خوب کان کھول کر سن لو اور لوحِ دل پر نقش کر رکھو کہ جسے کہتا سنو ''ہم اماموں کا قول نہیں جانتے ہمیں تو قرآن وحدیث چاہیے۔'' جان لو! یہ گم راہ ہے اور جسے کہتا سنو ''ہم حدیث نہیں جانتے ہمیں تو قرآن درکار ہے۔'' سمجھ لو کہ یہ بد دین دینِ خدا کا بدخواہ ہے۔ پہلا فرقہ قرآن عظیم کی پہلی آیت "فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ" (یعنی اے لوگو! علم والوں سے پوچھو۔) کا مخالف مستکبر اور دوسرا طائفہ قرآن عظیم کی دوسری آیت "لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ" (یعنی لوگوں کو اس کی شرح بیان فرما دیں جو ان کی طرف اُترا) کا

منکر ہے۔‘‘(۶۰)

تفہیم کا اتنا دل نشین اور پیارا طریقہ ہے کہ اپنا تو اپنا مخالف و معاند بھی سوچنے پر مجبور ہوجائے اسی کی ایک مثال اور اسی مقدمہ سے ملاحظہ فرمائیں:

’’مسلمانو! تم ان گم راہوں کی ایک نہ سنو اور جب تمہیں قرآن میں شبہہ ڈالیں حدیث کی پناہ لو، اگر اس میں ایں و آں نکالیں تم ائمہ کا دامن پکڑو۔ اس تیسرے درجے پر آکر حق و باطل صاف کھل جائے گا اور ان گم راہوں کا اُڑایا ہوا سارا غبار حق کے برستے ہوئے بادلوں سے دُھل جائے گا۔ اس وقت یہ ضال مضل طائفے بھاگتے نظر آئیں گے۔

’’كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ‘‘

(گویا وہ بھڑکے ہوئے گدھے ہوں کہ شیر سے بھاگے ہوں۔)

اول تو حدیثوں کے آگے انہیں کچھ نہ بنے گی صاف منکر ہوبیٹھیں گے، اور وہاں کچھ چون و چرا کی تو ارشادات ائمہ معانی حدیث کو ایسا روشن کر دیں گے کہ پھر انہیں یہی کہتے بن آئے گی کہ ہم حدیث کو نہیں جانتے یا اماموں کو نہیں مانتے۔ اس وقت معلوم ہوجائے گا کہ ان کا امام ابلیس لعین ہے، جو انہیں لیے پھرتا ہے اور قرآن و حدیث و ائمہ کے ارشادات پر نہیں جمنے دیتا۔ **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**‘‘(۶۱)

مقدمۂ ثانیہ

ہر بات اپنے ہی رُتبے کی دلیل چاہتی ہے اس کو سمجھانے کے لیے اولاً یہ بیان کیا کہ مانی ہوئی باتیں چار قسم کی ہوتی ہیں:

’’**اول:** ضروریاتِ دین جن کا منکر کافر، ان کا ثبوت قرآن عظیم یا حدیث متواتر یا اجماع قطعیات الدلالات واضح الافادات سے ہوتا ہے، جن میں شبہے کی گنجائش نہ تاویل کو راہ۔

دوم: ضروریاتِ مذہبِ اہلِ سنّت و جماعت جن کا منکر گم راہ بدمذہب، ان کا ثبوت بھی دلیل قطعی سے ہوتا ہے؛ اگرچہ باحتمال تاویل باب تکفیر مسدود ہو۔

سوم: ثابتات محکمہ جن کا منکر بعد وضوحِ امر خاطی و آثم قرار پاتا ہے ان کے ثبوت کو دلیلِ ظنی کافی جب کہ اس کا مفاد اکبر رائے ہو کہ جانب خلاف کو مطروح و مضمحل کر دے، یہاں حدیث آحاد صحیح یا حسن کافی اور قول سوادِ اعظم و جمہور علما سند وافی، ’’**فان ید اللہ علی الجماعۃ۔**‘‘

چہارم: ظنیات محتملہ جن کے منکر کو صرف مخطی کہا جائے، ان کے لیے ایسی دلیل ظنی بھی کافی جس نے جانب خلاف کے لیے گنجائش بھی رکھی ہو۔

ہر بات اپنے ہی مرتبے کی دلیل چاہتی ہے، جو فرقِ مراتب نہ کرے اور ایک مرتبے کی بات کو اس سے اعلیٰ درجے کی دلیل مانگے، جاہل بے وقوف ہے یا مکار فیلسوف۔ ؎

ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مقامے دارد
گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

اور بالخصوص قرآنِ عظیم بلکہ حدیث ہی میں تصریحِ صریح ہونے کی تو اصلاً ضرورت نہیں، حتیٰ کہ مرتبۂ اعلیٰ اعنی ضروریاتِ دین میں بھی بہت باتیں ضروریاتِ دین سے ہیں جن کا منکر یقیناً کافر، مگر بالتصریح ان کا ذکر آیات و احادیث میں نہیں۔

مثلاً: باری عزوجل کا جہل محال ہونا۔ قرآن و حدیث میں اللہ عزوجل کے علم و احاطۂ علم کا لاکھ جگہ ذکر ہے مگر امکان و امتناع کی بحث کہیں نہیں پھر کیا جو شخص کہے کہ:

’’واقع میں تو اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، عالم الغیب والشہادۃ ہے، کوئی ذرہ اس کے علم سے چھپا نہیں مگر ممکن ہے کہ جاہل ہوجائے۔‘‘

تو کیا وہ کافر نہ ہوگا؟ کہ اس امکان کا سلب صریح قرآن میں مذکور نہیں۔ حاش للہ! ضرور کافر ہے اور جو اسے کافر نہ کہے خود کافر۔ تو جب ضروریاتِ دین ہی کے ہر جزئیہ کی تصریح صریح قرآن و حدیث میں نہیں تو ان سے اُتر کر اور کسی درجے کی بات پر یہ چڑ چڑاپن کہ ہمیں تو قرآن ہی دکھاؤ ورنہ ہم نہ مانیں گے، نری جہالت یا صریح ضلالت۔‘‘(۶۲)

مقدمۂ ثالثہ

’’جو شخص کسی بات کا مدعی ہو اس کا بار ثبوت اسی کے ذمے ہوتا ہے آپ اپنے دعوے کا ثبوت نہ دے اور دوسروں سے اُلٹا ثبوت مانگتا پھرے وہ پاگل و مجنون کہلاتا ہے یا مکار پرفنون، **وھٰذا ظاھر جداً۔**(۶۳)

مقدمۂ رابعہ

’’جو جس بات کا مدعی ہو اس سے اس دعوے کے متعلق بحث کی جائے گی خارج از بحث بات کہ ثابت ہو تو اسے مفید نہیں، نہ ثابت ہو تو اس کے خصم کو کچھ مضر نہیں ایسی بات میں اس کا بحث

چھڑنا وہی جان بچانا اور مکر کی چال کھیلنا اور عوام ناواقفوں کے آگے اپنے فریب کا ٹھیلنا ہوتا ہے۔'' (۶۴)

مقدمۂ خامسہ

''کسی نبی کا انتقال دوبارہ دُنیا میں اس کی تشریف آوری کو محال نہیں کرسکتا۔'' (۶۵)

اس کے ثبوت میں آپ نے قرآن مقدس سے استدلال فرمایا ہے۔ پانچ مقدمے ذکر فرمانے کے بعد پانچ تنبیہات کو ذکر کیا ہے۔ پہلی تنبیہ میں تین مسئلے بیان فرمائے ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے:

مسئلۂ اولیٰ

مسلمانوں کا عقیدۂ قطعیہ یقینیہ ایمانیہ پہلی قسم کے مسائل یعنی ضروریاتِ دین سے یہ ہے کہ: نہ وہ قتل کیے گئے، نہ سولی دیے گئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مکر یہود سے بچا کر آسمان پر اُٹھالیا اور ان کی صورت دوسرے پر ڈال دی۔ یہود ملاعنہ نے دھوکے میں اس کو ہی سولی دی۔ اس کا منکر یقیناً کافر ہے۔ اس کو آپ نے قرآن کریم سے ثابت فرمایا ہے۔

مسئلۂ ثانیہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قربِ قیامت آسمان سے اُترنا اور اس عہد کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے لیا دین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدد کرنا۔ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

''یہ مسئلہ قسم ثانی یعنی ضروریاتِ مذہبِ اہلِ سنّت و جماعت سے ہے جس کا منکر گم راہ خاسر بدمذہب فاجر، اس کی دلیل احادیث متواترہ و اجماع اہلِ حق ہے۔'' (۶۶)

اس کے ثبوت میں آپ نے ۴۳/احادیث ذکر فرمائی ہیں، آپ فرماتے ہیں:

''یہ سرِ دست بے قصد استیعاب تینتالیس (۴۳) حدیثیں ہیں جن میں ایک چہل حدیثیں ہیں، جن میں ایک چہل حدیث پوری پوری حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے۔'' (۶۷)

مسئلۂ ثالثہ

سیدنا روح اللہ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ کی حیات کے متعلق فرماتے ہیں کہ: اس کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ وہ اب زندہ ہیں۔

تنبیہ دوم

حاصلِ کلام یہ ہے کہ یہ بھی مسائل قسمِ ثانی (ضروریاتِ مذہبِ اہلِ سنّت و جماعت) سے ہے۔ جس میں خلاف نہ کرے گا مگر گم راہ، کہ اہلِ سنّت کے نزدیک تمام انبیاے کرام علیہم الصلاۃ

والسلام بحیات حقیقی زندہ ہیں، ان کی موت صرف تصدیق وعدۂ الٰہیہ کے لیے ایک آن کو ہوتی ہے، پھر ہمیشہ حیات حقیقی ابدی ہے۔ اس کے ثبوت میں آپ نے قرآن، حدیث، تفسیر اور اقوالِ اسلاف کو دلیل کے طور پر پیش کر کے حق کو ثابت فرمایا ہے۔ اس کے بعد مخالف کے افترا کی مضبوط گرفت فرما کر کئی وجہوں سے کلام کیا ہے۔

تنبیہ سوم

سائل نے یہ سوال کیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد رجوع فرمائیں گے تو وہ نبوت و رسالت سے خود مستعفی ہوں گے یا اللہ تعالیٰ ان کو معزول فرمائے گا؟ اس پر تنبیہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اس نئے فیشن کے مسیحوں کا سچے مسیح رسول اللہ وکلمۃ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت یہ سوال کہ اس دوبارہ رجوع میں وہ نبی نہ رہیں گے اور وہ نبوت یا رسالت سے خود مستعفی ہوں گے یا ان کو خدائے تعالیٰ اس عہدۂ جلیلہ سے معزول کر کے اُمتی بنا دے گا اگر از راہ نادانی ہے تو محض سفاہت و جہالت ورنہ صریح شرارت وضلالت۔

حاش للہ! نہ وہ خود مستعفی ہوں گے نہ کوئی نبی نبوت سے استعفا دیتا ہے، نہ اللہ عزوجل انہیں معزول فرمائے گا نہ کوئی نبی معزول کیا جاتا ہے۔ وہ ضرور اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور ہمیشہ نبی رہیں گے، اور ضرور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُمتی ہیں اور ہمیشہ اُمتی رہیں گے، یہ سفیہ اپنی حماقت سے نبی ہونے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُمتی ہونے میں باہم منافات سمجھا یہ اس کی جہالت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدر رفیع سے غفلت ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ ایک عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلاۃ والسلام پر موقوف نہیں، ابراہیم خلیل اللہ وموسیٰ کلیم اللہ ونوح نجی اللہ وآدم صفی اللہ وتمام انبیا اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہم وسلم سب کے سب ہمارے نبی اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُمتی ہیں حضور کا نام پاک نبی الانبیاء ہے۔'' (۶۸)

جزئیات کی کثرت

آپ کے فتاویٰ میں فقہی جزئیات کی کثرت کے ثبوت میں آپ کی تصنیف "سد الفرار علی الصید الفرار" اور "الصارم الربانی علی اسراف القادیانی" و "اجتناب العمال عن فتاویٰ الجهال" کو پیش کیا جاسکتا ہے؛ کہ جن میں جزئیات کی کثرت اور نقد ونظر کے کثیر شواہد مل جائیں گے۔

فتاویٰ حامدیہ،ص:۱۶/ پر ایک استفتا درج ہے، آپ سے جمعہ کی اذانِ ثانی کے بارے میں سوال کیا گیا، آپ نے اس کا مختصر اور جامع جواب عنایت فرمایا، لیکن اس مختصر سے جواب میں قرآن وحدیث کے علاوہ مندرجہ ذیل کتبِ فقہ وفتاویٰ وغیرہ کے جزئیات اپنے موقف کے ثبوت میں پیش کیے ہیں:

(۱) فتاویٰ قاضی خاں

فتاویٰ قاضی خاں کو فتاویٰ خانیہ بھی کہتے ہیں کہ جس کو امام فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی فرغانی حنفی علیہ الرحمہ (م ۵۹۲ھ) نے تصنیف فرمایا۔ آپ کی تصحیح دیگر فقہا کی تصحیح پر مقدم ہوتی ہے۔ آپ فقیہ النفس تھے اور آپ کا شمار مجتہدین فی المسائل فقہاے کرام سے ہوتا ہے۔

(۲) فتاویٰ خلاصہ

یہ امام طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری سرخسی، حنفی قدس سرہ (م ۵۴۲ھ) کی تصنیف ہے۔

(۳) خزانۃ المفتیین

یہ کتاب فروع کے امام شیخ حسین بن محمد سمعانی سمیقانی حنفی قدس سرہ کی تصنیف ہے۔

(۴) فتاویٰ عالم گیری

یہ کتاب مستطاب سلطان الہند ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر عالم گیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۱۱۷ھ) کے حکم سے اکابر علماے ہند نے ان بڑی بڑی کتابوں سے جو عالم گیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کتب خانہ میں موجود تھیں یا جو موجود نہ تھیں تو ضرورت کے پیشِ نظر ان کا خرید کرا انتظام کیا گیا؛ ان ضروری مسائل کو منتخب کر کے جمع کیا جو بہت زیادہ پیش آتے ہیں۔

اور اس کتاب کو ترتیب دینے کے لیے جو کمیٹی بنائی گئی تھی وہ تقریباً چھ افراد پر مشتمل تھی۔ اس کے صدر شیخ نظام الدین برہان پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے۔ ملا حامد جون پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (معلم شاہزادۂ محمد اکبر)، قاضی مولانا محمد حسین جون پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (آپ عالم گیر کے زمانہ میں الہ آباد اور شاہ جہاں کے زمانہ میں جون پور کے قاضی تھے)، مولانا محمد ابوالخیر ٹھٹوی، ملا جمیل صدیقی جون پوری اور مولانا جلال الدین محمد مچھلی شہری جون پوری وغیرہ (کہا جاتا ہے کہ حصۂ اول آپ ہی کا تالیف کردہ ہے) اس کے مرتبین میں سے ہیں۔

(۵) بحر الرائق

فقہ حنفی کی مشہور متداول کتاب ''کنز الدقائق'' (جو حافظ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود

نسفی (م ۷۱۰ھ) کی تصنیف ہے۔) کی شرح ہے۔ اس کو شیخ زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف بہ ابن نجیم قدس سرہ (م ۹۷۰ھ) نے تحریر فرمایا ہے۔

(۶) شرح نقایہ

البرجندی، شرح مختصر الوقایہ مسمیٰ بہ ''نقایہ'' یہ کتاب علامہ نظام الدین عبدالعلی بن محمد بن حسن برجندی (م ۹۳۴ھ)

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''شرح وقایہ'' تصنیف امام صدر الشریعہ عبیداللہ بن مسعود محبوبی قدس سرہ (م ۷۴۷ھ)، شیخ محمد بن الیاس رومی قدس سرہ (م ۸۵۱ھ) نے اس کی شرح فرمائی اس کا نام "شرح النقایۃ مختصر الوقایۃ" رکھا۔ الحمدللہ! اس کا مخطوطہ فقیر کے پاس موجود ہے۔

(۷) غنیۃ شرح منیہ

"غنیۃ المستملی فی شرح منیۃ المصلی" نام ہی سے ظاہر ہے کہ یہ شرح ہے۔ یہ شرح ابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی حنفی (م ۹۵۶ھ) کی تصنیف ہے۔ اس کے متن کا نام "منیۃ المصلی و غنیۃ المبتدی" ہے۔ یہ فقہ حنفی کی مشہور متداول کتب میں سے ہے، اس کو شیخ امام محمد بن محمد بن الرشید بن علی سدید الدین کاشغری (م ۷۰۵ھ) نے تصنیف فرمایا ہے۔

(۸) فتح القدیر

فقہ حنفی کی مشہور ومعروف کتاب ''ہدایہ'' کی شرح محمد بن عبدالواحد ابن مسعود سیواسی، کمال الدین معروف بہ ابن ہمام (م ۸۶۱ھ) کی تصنیف ہے۔ علامہ ابن ہمام اُصول، تفسیر، فقہ، اُصول فقہ، فرائض، حساب، تصوف، نحو وصرف، معانی وبیان وغیرہ کے امام تھے۔

(۹) طحطاوی علی مراقی الفلاح

حضرت شیخ حسن عمار بن علی شرنبلالی قدس سرہ (م ۱۰۶۹ھ) کی تصنیف "مراقی الفلاح شرح نور الایضاح" کی شرح ہے۔ بارہویں صدی ہجری کے معتبر عالم وفقیہ حضرت علامہ شیخ احمد بن محمد بن اسماعیل طحاوی حنفی قدس سرہ (م ۱۲۳۱ھ) نے ''مراقی الفلاح'' کی شرح ''طحطاوی علی مراقی الفلاح'' کے نام سے کی ہے۔

(۱۰) عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ

یہ حاشیہ علامہ عبدالحی فرنگی محلی قدس سرہ (م ۱۳۰۴ھ) کا تحریر فرمودہ ہے۔ ہندو پاک کے مختلف مدارس میں قدیم زمانے ہی سے شرح وقایہ داخلِ درس ہے اور اب ان مدارس میں پائی جانے

والی کتاب ''شرح وقایہ'' عمدۃ الرعایہ کے حاشیہ کے ساتھ ہی اکثر پائی جاتی ہے۔

(۱۱) مسلک متقسط

''مسلک المتقسط فی المنسک المتوسط'' یہ کتاب مدینہ منورہ کے فضائل ومناقب کے بیان میں ہے۔اس کو حضرت علامہ ملا علی قاری مکی حنفی قدس سرہ (م ۱۰۱۴ھ) نے تصنیف فرمایا ہے۔

(۱۲) درمختار

درمختار یہ تنویر الابصار کی شرح ہے اس کو محمد بن عبد الرحمٰن حصکفی علیہ الرحمہ (م ۱۰۸۸ھ) نے تصنیف فرمایا، آپ نے "شرح تنویر الأبصار" کا نام ''درمختار'' رکھا اور آپ نے اس کی شرح بھی تحریر فرمائی، جس کا نام "خزائن الأسرار وبدائع الأفکار" رکھا، یہ فقہ حنفیہ کے فروع میں تھی لیکن افسوس! یہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔

(۱۳) ردالمحتار

''ردالمحتار'' یہ علم فقہ کی مشہور کتاب ہے، جو درمختار کی شرح ہے، اس کو علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ (م ۱۲۵۲ھ) نے تصنیف فرمایا۔ درمختار یہ تنویر الابصار کی شرح ہے اس کو محمد بن عبد الرحمٰن حصکفی علیہ الرحمہ (م ۱۰۸۸ھ) نے تصنیف فرمایا اور یہ تنویر الابصار کی شرح ہے۔تنویر الابصار ابراہیم بن محمد تمرتاشی علیہ الرحمہ (م ۱۰۰۴ھ) کی تصنیف ہے۔

(۱۴) فتاویٰ اسعدیہ

''فتاویٰ اسعدیہ'' یہ علامہ سید اسعد حسینی مدنی تلمیذ صاحب ''مجمع الانہر'' علامہ محقق، فقیہ عبد الرحمٰن بن محمد بن سلیمان کلیوبی (م ۱۰۷۸ھ) کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔

(۱۵) مجمع الانہر

علامہ محقق، فقیہ عبد الرحمٰن بن محمد بن سلیمان کلیوبی (م ۱۰۷۸ھ) نے ''ملتقی الابحر'' تصنیف کردہ علامہ براہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی حنفی (م ۹۵۶ھ) کی شرح ''مجمع الانہر'' کے نام سے فرمائی ہے۔

حضور حجۃ الاسلام کو فقہ وافتا میں بصیرت ومہارتِ تامہ حاصل تھی، اہلِ علم ان کا حد درجہ احترام کرتے تھے۔ پروفیسر مجید اللہ قادری لکھتے ہیں:

''حجۃ الاسلام قدس سرہ کو علم وفضل اور ادب وتفقہ میں وہ ملکۂ تام حاصل تھا کہ بڑے بڑے علما دیکھ کر عش عش کر اُٹھتے تھے۔''(۶۹)

حضور حجۃ الاسلام قدس سرہ کے تلامذہ

(۱) حضرت مفتی اعظم ہند مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں برادرِ اصغر و صاحبِ سجادہ امام احمد رضا (م ۱۴۰۲ھ)

(۲) حضرت مولانا حسنین رضا خاں ابن حسنؔ بریلوی وخلیفۂ امام احمد رضا (م ۱۴۰۱ھ)

(۳) حضرت شاہ عبد الکریم صاحب تاجی ناگپوری، پیر ومرشد بابا ذہین شاہ تاجی مدفون کراچی (م ۱۳۶۶ھ)

(۴) حضرت مولانا مفتی ابرار حسن صدیقی تلہری، مدیر شہیر ماہ نامہ یادگارِ رضا بریلی

(۵) حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد، شیخ الحدیث جامعہ رضویہ مظہر اسلام، لائل پور پاکستان (م ۱۳۸۲ھ)

(۶) حضرت مولانا عبد الغفور ہزاروی شیخ القرآن، علامہ معقول ومنقول، خطیب شعلہ بیاں، وزیر آباد پاکستان (م ۱۳۹۰ھ)

(۷) مفتی عبد الحمید قادری (م ۱۳۹۳ھ)

(۸) مفسر اعظم ہند، مولانا محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں فرزند اکبر (م ۱۳۸۵ھ)

(۹) حضرت مولانا شاہ رفاقت حسین مفتی اعظم کان پور، امین شریعت صوبہ بہار (م ۱۴۰۳ھ)

(۱۰) حضرت مولانا محمد علی آنولوی حامدی، نائب مدیر ماہ نامہ یادگارِ رضا بریلی

(۱۱) حضرت مولانا قاری غلام محی الدین ہلدوانی، نینی تال (۷۰)

(۱۲) فقیہ العصر، پیکرِ تقدس حضرت علامہ مفتی تقدس علی خاں (م ۱۴۰۸ھ)(۷۱)

(۱۳) حضرت علامہ محمد ابراہیم خوشتر رضوی

(۱۴) مفتی محمد اعجاز ولی خاں رضوی بریلوی (م ۱۳۹۳ھ)(۷۲)

یہ ماضی قریب کے وہ اساطینِ علم وفضل ہیں؛ جن کی بارگاہ سے علم وادب میں خوشہ چینی کرنے والے آفتاب وماہ تاب کی مانند آج بھی درخشندہ ہیں، ان کے علم وفضل کی روشنی کی دُنیا میں خیرات مانگی جاتی ہے۔حضور حجۃ الاسلام کے ان تلامذہ نے تصنیف تالیف، وعظ وتقریر اور فقہ وافتا میں نمایاں کردار ادا کیا، جس کی تفصیل یہاں پر نہیں ہوسکتی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضور حجۃ الاسلام کے علمی فیضان کا صدقہ عطا فرمائے، ان کی روش پر پختگی سے عمل پیرا رہنے کے لیے راستہ ہموار فرمائے۔آمین یارب العالمین۔

حواشی

(۱)کتاب التعریفات للشریف الجرجانی،ص۱۲۶
(۲)التوضیح لحل غوامض التنقیح،ص ۳۳
(۳)مقدمۃ تاتارخانیۃ،جلداول،باب فی العلم والحث علیہ،ص۱۷۵
(۴)فتاوی شامی،جلداول،ص۱۱۸،۱۱۹
(۵)ایضاً
(۶)ایضاً
(۷)شرح مسلم الثبوت،ص۱۱
(۸)مقدمۃ ردالمحتار،جلداول،ص۱۲۰
(۹)ایضاً،ص۱۲۱
(۱۰)ایضاً،ص۱۲۰
(۱۱)مقدمۃ الشامی،جلداول،ص۱۲۰
(۱۲)القرآن الکریم،سورۃ التوبۃ:۱۲۲
(۱۳)کنزالایمان
(۱۴)خزائن العرفان
(۱۵)القرآن الکریم،پ:۳ ع:۵،آیت:۲۶۹
(۱۶)کنزالایمان
(۱۷)بیہقی،جلددوم،باب فضل العلم،ص۲۶۶،سنن دارقطنی جلد:۳،ص۳۰۶۶
(۱۸)صحیح بخاری،جلداول،کتاب العلم باب من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین،ص۱۶،صحیح مسلم،جلداول،کتاب الزکاۃ باب النھی عن المسألۃ،ص۳۳۳
(۱۹)فتح الباری شرح بخاری،جلداول،ص۱۳۴
(۲۰)مشکوۃ المصابیح،کتاب العلم،ص۳۴
(۲۱)بیہقی،جلددوم،باب فضل العلم،ص۲۶۶،سنن دارقطنی،جلدسوم،ص۳۰۶۶
(۲۲)صحیح بخاری،جلداول،کتاب العلم،ص۱۷
(۲۳)طبرانی
(۲۴)انوارمفتی اعظم،ص۲۵۲
(۲۵)پ:۱۲،س:یوسف،ع:۱۶آیت:۴۳
(۲۶)کنزالایمان
(۲۷)القرآن الکریم،پ:۶،س:نساء،ع:۴،آیت:۱۷۶
(۲۸)کنزالایمان
(۲۹)التعریفات للشریف الجرجانی،ص۲۶
(۳۰)ردالمحتار،جلد۴،ص۳۳۶
(۳۱)القرآن الکریم،البقرۃ:۲/۸۰
(۳۲)سورۃ یونس ۱۰/۵۹
(۳۳)فتاوی رضویہ،مترجم،ج۱،ص۱۰۲

(۳۴)القرآن الکریم،پ:۶،س:نساء،ع:۴،آیت:۱۷۶
(۳۵)کنزالایمان
(۳۶)القرآن الکریم،پ:۱۱،س:توبۃ،ع:۴،آیت ۱۲۲
(۳۷)کنزالایمان
(۳۸)القرآن الکریم،پ:۱۴،س:نحل،ع:۱۲،آیت:۴۳
(۳۹)کنزالایمان
(۴۰)فتاویٰ شامی،جلداول،ص:۳۹۶
(۴۱)تذکرۂ جمیل،ص۱۱۰
(۴۲)اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے والدگرامی مولانا نقی علی خان،ص۳۱،مولانا شہاب الدین رضوی
(۴۳)خلفاے محدث بریلوی،ص۵۹،پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
(۴۴)حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین،ص۸۳
(۴۵)الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ،ص۹۴
(۴۶)امام احمد رضا اور عالمِ اسلام،۱۳۷،ڈاکٹر محمد مسعود احمد
(۴۷)ایضاً
(۴۸)مقالاتِ یوم رضا،ج:۲،ص۶۰،بمکتوب محررہ ۲۸ رمئی ۱۹۶۸ھ
(۴۹)نزہۃ الخواطر،ج:۸،ص۴۱،مطبوعہ حیدرآباد دکن
(۵۰)خلفاے امام احمد رضا،ص۴۴،علامہ عبدالحکیم شرف قادری
(۵۱)سیرتِ مجددین وملت امام احمد رضا،ص۳۱
(۵۲)حیاتِ اعلیٰ حضرت،جلداول،ص۲۷۳،امام احمد رضا اکیڈمی،بریلی شریف
(۵۳)تذکرۂ جمیل،ص۲۷۱
(۵۴)مقدمہ فتاویٰ مفتی اعظم،ص۲۳۴
(۵۵)تذکرۂ جمیل،ص۲۰۲
(۵۶)ایضاً،ص۲۰۱،۲۰۲
(۵۷)ماہ نامہ اعلیٰ حضرت،ستمبر ۲۰۱۶ء،ص۳۵،بحوالہ یادگارِ رضا،محرم الحرام،۱۳۴۹ھ،ص۴،۵
(۵۸)تذکرۂ جمیل،ص۱۲۲
(۵۹)ایضاً،ص۱۰۹
(۶۰)فتاویٰ حامدیہ،ص۱۲۹،۱۳۰،رضوی کتاب گھر دہلی
(۶۱)ایضاً،ص۱۳۲،۱۳۳،رضوی کتاب گھر دہلی
(۶۲)ایضاً،ص۱۳۴،رضوی کتاب گھر دہلی
(۶۳)ایضاً،ص۱۳۶،رضوی کتاب گھر دہلی
(۶۴)ایضاً،ص۱۳۷،رضوی کتاب گھر دہلی
(۶۵)ایضاً،ص۱۳۷،رضوی کتاب گھر دہلی
(۶۶)ایضاً،ص۱۴۲،رضوی کتاب گھر دہلی
(۶۷)ایضاً،ص۱۷۴،رضوی کتاب گھر دہلی
(۶۸)ایضاً،ص۲۰۶،۲۰۷،رضوی کتاب گھر دہلی
(۶۹)تذکرۂ خلفاے اعلیٰ حضرت،ص۲۳۶،محمد صادق قصوری،پروفیسر مجید اللہ قادری
(۷۰)تذکرۂ جمیل،ص۱۷۴
(۷۱)خلفاے امام احمد رضا،ص۱۵،علامہ عبدالحکیم شرف قادری
(۷۲)تذکرۂ جمیل،ص۲۴۰

☆☆☆

تعظیم سادات: امام احمد رضا کے کردار و عمل کے آئینے میں

مولانا محمد اسلم رضا قادری اشفاقی
مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ، باسنی ناگور شریف راجستھان
09461380418

عاشق رسول، عارف باللہ حضرت امام قاضی عیاض مالکی قدس سرہٗ لکھتے ہیں کہ: ''اہلِ بیت کی عزت و تعظیم اصل میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت و تعظیم ہے۔'' [شفا شریف: ۲/۹۶، مترجم]
حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہماری محبت اسی وقت کامل و اکمل ہوگی جب ہمارے دلوں میں آلِ رسول کی تعظیم و محبت کا چراغ روشن ہوگا، اس کے بغیر محبت رسول کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے جن جن موضوعات پر سمندِ قلم چلایا ہے؛ وہ اس قدر وقیع اور پر لطف ہیں کہ قاری کبھی اُکتاہٹ محسوس نہیں کرتا، چاہے وہ بابِ فقہیات کا کوئی مسئلہ ہو یا بابِ حدیثیات، یا سیرت و تاریخ کا کوئی نادر مضمون۔ آپ جس حوالے سے پڑھنا چاہیں امام احمد رضا قدس سرہٗ کے یہاں وہ تحقیق ملے گی کہ عقل حیران رہ جائے گی، یہ کوئی مبالغہ آرائی نہیں بلکہ حقیقت کی عکاسی ہے۔ بڑے بڑے اصحابِ فضل و کمال امام احمد رضا قدس سرہٗ کی نکتہ سنجی، محققانہ بصیرت، ناقدانہ نظر کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ جہاں ایک نابغۂ روزگار، یکتائے زمانہ فقیہ و محدث تھے، وہیں اپنے عہد و قرن کے سچے عاشق رسول، محب صحابہ و اہلِ بیت تھے، تاریخ میں اس حوالے سے کئی ایک فتاویٰ اور واقعات محفوظ ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے دل میں ساداتِ کرام کی کیسی عظمت و محبت تھی اس کا اندازہ ذیل میں پیش کردہ آپ کے اس فتویٰ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جس کا ایک ایک لفظ عشق و ادب میں ڈوب کر لکھا گیا ہے، منصف مزاج آدمی جب بھی اس فتویٰ کا مطالعہ کرے گا تو وہ جان لے گا کہ اعلیٰ حضرت کا دل و دماغ ساداتِ کرام کی محبت و عظمت سے کس قدر روشن تھا، آپ بھی اس فتویٰ کے مطالعہ سے اپنے کو مشرف کر لیجیے تاکہ کسی قسم کے شکوک و شبہات کا شکار نہ ہوسکیں۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں:

''یہ فقیر ذلیل بحمدہٖ تعالیٰ ساداتِ کرام کا ادنیٰ غلام و خاکِ پا ہے، ان کی محبت و عظمت ذریعہ

نجات و شفاعت جانتا ہے، اپنی کتابوں میں چھاپ چکا ہے کہ سید اگر بدمذہب بھی ہوجائے اس کی تعظیم نہیں جاتی، جب تک کہ بدمذہبی حدِ کفر تک نہ پہنچے، ہاں! بعدِ کفر سیادت ہی نہیں رہتی، پھر اُس کی تعظیم حرام ہوجاتی ہے۔ اور یہ بھی فقیر بارہا فتویٰ دے چکا ہے کہ کسی کو سید سمجھنے اور اس کی تعظیم کرنے کے لیے ہمیں اپنے ذاتی علم سے اسے سید جاننا ضروری نہیں، جو لوگ سید کہلائے جاتے ہیں ہم اُن کی تعظیم کریں گے، ہمیں تحقیقات کی حاجت نہیں، نہ سیادت کی سند مانگنے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے اور خواہی نا خواہی سند دکھانے پر مجبور کرنا اور نہ دکھائیں تو برا کہنا، مطعون کرنا، ہرگز جائز نہیں، لوگ اپنے نسب پر امین ہیں۔ ہاں! جس کی نسبت ہمیں خوب تحقیق معلوم ہو کہ یہ سید نہیں اور وہ سید بنے اُس کی ہم تعظیم نہ کریں گے، نہ اسے سید کہیں گے۔'' [فتاویٰ رضویہ: ۱۲/۱۲۵، ممبئی]

دوسری جگہ مزید لکھتے ہیں: ''سادات کی تعظیم فرض ہے اور ان کی توہین حرام۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''جو میری اولاد اور انصار اور عرب کا حق نہ پہچانے تین علتوں سے خالی نہیں، یا تو منافق ہے یا حرامی یا حیضی بچہ۔'' اہلِ بیت کی محبت کے بارے میں متواتر حدیثیں بلکہ قرآن عظیم کی آیتِ کریمہ: قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (سورۃ الشوریٰ: آیت ۲۳) (یعنی اے محبوب! تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اُجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت۔ کنز الایمان) اُن کی محبت بحمد اللہ تعالیٰ مسلمان کا دین ہے، اور اُس سے محروم ناصبی، خارجی جہنمی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ! مگر محبت صادقہ، نہ روافض کی سی محبت کاذبہ، جنہیں ائمۂ اطہار فرمایا کرتے تھے: خدا کی قسم! تمہاری محبت ہم پر عار ہوگئی۔'' ہاں سچے محبانِ اہلِ بیتِ کرام کے لیے قیامت کے دن نعمتیں، برکتیں، راحتیں ہیں۔'' [فتاویٰ رضویہ: ۹/۱۶۶، ۱۶۷، نصف آخر، ممبئی]

شانِ سادات، احترامِ سادات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی زندگی کا اہم کردار تھا، تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ نے خود اپنے تلامذہ کی جو سادات سے تھے، کیسی تعظیم کر کے اہلِ علم کو بتایا ہے۔ خود حضور سیدنا محدث اعظم ہند قدس سرہٗ کے متعلق جب حضرت مولانا سید شاہ احمد اشرف صاحب کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے کہا: میں اپنے بھانجے کو چاہتا ہوں کہ حضور کی خدمت میں حاضر کروں تو امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اس وقت جو پیارے بول فرمائے تھے وہ آج بھی تاریخ میں محفوظ ہیں، اس لیے محفوظ ہیں تاکہ حالات کو بدلنے والے جب اِن کلمات طیبات کو پڑھیں گے تو وہ سوچنے پر مجبور ہوجائیں گے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ

کے دل میں ساداتِ کرام کی کیسی سچی محبت وعقیدت رچی بسی تھی۔آپ بھی ان مبارک بولوں کوملاحظہ کرلیں تاکہ آپ کی نگاہیں بھی ٹھنڈی ہوجائیں،اور کسی وہم میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہ سکیں، کیوں کہ یہ دور بڑا ہی پرآشوب ہے؛ لوگ بیٹھے بیٹھے امام اہلِ سنت علیہ الرحمہ کومطعون کرنے پر تلے ہوئے ہیں، حالات کی کشیدگی بتارہی ہے کہ اس وقت لوگ امام احمد رضا قدس سرہٗ کے مسلک پر بھی حملہ کررہے ہیں اور بزرگوں کا دیا ہوا ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کا نعرہ اب انہیں اچھا معلوم نہیں ہورہا ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ (حضرت مولانا سید شاہ احمد اشرف صاحب کچھوچھوی سے) فرماتے ہیں: ''ضرور تشریف لائیں، یہاں فتویٰ لکھیں اور مدرسہ میں درس دیں۔ردِ وہابیہ اور افتا، یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے،ان میں بھی طبیبِ حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے، میں بھی ایک طبیبِ حاذق کے مطب میں سات برس بیٹھا ہوں، میں تو ہر شخص کو بہ طیبِ خاطر سکھانے کو تیار ہوں، سید محمد اشرفی صاحب تو میرے شہزادے ہیں، میرے پاس جو کچھ ہے وہ انہیں کے جدامجد (یعنی حضور سیدنا غوث اعظم، رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا صدقہ وعطیہ ہے۔''

[الملفوظ: حصہ اول، ص ۷۴، ۷۵، رضا اکیڈمی ممبئی]

دیکھا آپ نے! امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کا سادات سے قلبی لگاؤ وتعلق۔کیا یہ بلاوجہ تھا؟ نہیں ہرگز نہیں! بلکہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کے ان مختصر جملوں میں اتنا دم خم ہے کہ تاریخ کو مٹانے والے ہزار جتن کرلیں لیکن امام احمد رضا قدس سرہٗ کا ساداتِ کرام سے جو عشق تھا اسے کبھی مٹا نہیں سکتے۔اس لیے اس حقیقت کے اعتراف میں شک نہیں کیا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا قدس سرہٗ کے عزووقار میں جو چار چاند لگائے ہیں وہ ان کی آلِ رسول سے سچی عقیدت ومحبت کا نتیجہ وثمرہ ہے۔

اپنے پیرانِ طریقت کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضاؔ
بول بالے مِری سرکاروں کے

سادات کے لیے ڈبل حصہ:

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی سیرت کا یہ حصہ خاص طور سے یاد رکھنے اور آج کے دور میں اپنانے سے تعلق رکھتا ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کے یہاں مجالس میلاد وغیرہ میں تقسیم شیرینی کے وقت ساداتِ کرام کو ڈبل حصہ ملا کرتا تھا۔

''جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ حضور کے یہاں مجلس میلاد میں ساداتِ کرام

کو بہ نسبت اور لوگوں کے دوگنا حصہ بروقت تقسیمِ شیرینی ملا کرتا تھا، اور اسی کا اتباع اہلِ خاندان بھی کرتے ہیں۔ایک سال بموقع بارہویں شریف ماہِ ربیع الاول ہجوم میں سید محمود جان صاحب علیہ الرحمہ کو خلافِ معمول اکہرا حصہ، یعنی دو تشتریاں شیرینی بلاقصد پہنچ گئیں، موصوف خاموشی کے ساتھ حصہ لے کر سیدھے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: حضور کے یہاں سے آج مجھے عام حصہ ملا ہے؟ فرمایا: سید صاحب تشریف رکھیے اور تقسیم کرنے والے کی فوراً طلبی ہوئی اور سخت اظہارِ ناراضی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ابھی ایک سینی (خوان) میں جس قدر حصے آسکیں بھر کر لاؤ، چنان چہ فوراً تعمیل ہوئی، سید صاحب نے عرض بھی کیا کہ حضور میرا یہ مقصد نہ تھا، ہاں دل کو ضرور تکلیف ہوئی جسے برداشت نہ کرسکا۔فرمایا: سید صاحب یہ شرینی تو آپ کو قبول کرنا ہوگی ورنہ مجھے سخت تکلیف رہے گی۔اور شیرینی تقسیم کرنے والے سے کہا کہ ایک آدمی کو سید صاحب کے ساتھ کردو جو اِس خوان کو مکان پر پہنچا آئے، انہوں نے فوراً تعمیل کی۔'' [حیاتِ اعلیٰ حضرت: ۱، ص ۳۰۰، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف]

سادات اور نذرانے:

حضرت مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب فریدی صدر مدرس ''مدرسہ شمس العلوم'' بدایوں، حضرت سیدنا سید شاہ مہدی حسن میاں صاحب، سجادہ نشین سرکار کلاں مارہرہ شریف کی روایت سے تحریر فرماتے ہیں کہ صاحبِ سجادہ نے فرمایا: جب میں بریلی (شریف) آتا تو اعلیٰ حضرت خود کھانا کھلاتے اور ہاتھ دُھلاتے۔ایک مرتبہ حسبِ دستور ہاتھ دُھلاتے وقت کہا: حضرت شہزادے، انگوٹھی اور چھلے مجھے دے دیجیے، میں نے فوراً اُتار کر دے دیے اور وہاں سے ممبئی چلا گیا، ممبئی سے واپس مارہرہ آیا تو میری بیٹی فاطمہ نے کہا کہ: ابا! بریلی سے مولانا صاحب کے یہاں سے پارسل آیا تھا جس میں چھلے اور انگوٹھی تھے یہ دونوں طلائی تھے، والا نامہ تحریر تھا: شاہزادی صاحبہ یہ دونوں طلائی اشیا آپ کی ہیں۔''

[مصدر سابق، ص ۳۰۶]

امام احمد رضا قدس سرہٗ کا یہ قول یاد رکھنے کے قابل ہے، آپ فرماتے ہیں: ''سید کو اگر قاضی حد لگائے تو یہ خیال نہ کرے کہ میں سزا دے رہا ہوں بلکہ تصور کرے کہ شہزادے کے پیروں میں کیچڑ بھر گئی ہے اسے دھو رہا ہوں۔'' [مصدر سابق، ص ۳۰۱]

کیا سادات کا ایسا عشق دور دور تک بھی نظر پڑتا ہے؟ سچائی یہ ہے کہ عشق وادب کی جو تعلیم امام احمد رضا قدس سرہٗ کے یہاں ملتی ہے؛ اس کا عشر عشیر بھی آج کہیں دکھائی نہیں دیتا۔واللہ! یہ کوئی

تاریخ سازی نہیں کہ واقعات کو جوڑ کر لکھ دیا جائے ،جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہو ، بلکہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس بات کا شاہد ہے کہ وہ سچے عاشق آلِ رسول تھے، بلکہ ان کا پورا خانوادہ ہی سادات کے عشق ومحبت میں ڈوبا ہوا ہے۔حضور حجۃ الاسلام،حضور مفتی اعظم ہند قدس سرھما اور موجودہ دور میں حضور تاج الشریعہ مدظلہ النورانی۔

اس حوالے سے صرف ایک واقعہ نذر قارئین کرتا ہوں، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب اپنے سفرنامۂ پاکستان میں لکھتے ہیں:''۱۹۸۲ء میں راقم جانشین مفتی اعظم حضرت علامہ اختر رضا خاں صاحب قبلہ ازہری کے ہم راہ پاکستان گیا تھا،کراچی میں سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک اولاد حضرت مولانا پیر طاہر علاؤالدین گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی رہائش گاہ تھی،.....انہیں پیر گیلانی صاحب سے ملاقات کے لیے حضور ازہری میاں صاحب کے ہم راہ راقم اور ۲۰۔۲۵ کے قریب حضرت کے مریدین ومعتقدین،جن میں سابق وزیر پاکستان محترم المقام حاجی حنیف طیب صاحب بھی شامل تھے، گئے۔خبر ملتے ہی جلد ہی پیر صاحب قبلہ تشریف لے آئے ،ناشتے اور چائے قہوہ کے بعد گفتگو شروع ہوئی، پیر صاحب نے فی البدیہہ عربی قطعہ فرما کر ازہری میاں صاحب کی تعریف فرمائی۔اخیر میں جب حضرت ازہری میاں صاحب نے حضرت پیر صاحب سے دُعا کے لیے کہا تو بولے:''اختر رضا!میں تمہارے لیے تو دُعا کرتا ہوں ،لیکن واللہ!تمہارے گھر میں کسی بات کی کمی نہیں ہے۔''اس کے بعد پیر صاحب نے ۱۹۵۶ء میں اپنی بریلی شریف آمد کا ذکر چھیڑ دیا،حضرت پیر صاحب قبلہ ۱۹۵۶ء میں خانقاہِ عالیہ قادریہ بدایوں شریف تشریف لائے تھے،وہاں سے بریلی شریف تشریف لائے تھے،سرکار مفتی اعظم انہیں ریسیو کرنے کے لیے ہزاروں مریدین ومعتقدین کے ساتھ سٹی اسٹیشن بریلی تشریف لے گئے تھے،جب تک حضرت مفتی اعظم پیر صاحب کے ساتھ رہے ننگے پیر رہے، پرانے شہر بریلی میں بھی پیر صاحب کا زبردست استقبال ہوا تھا۔انہیں سب واقعات کو یاد کرتے ہوئے پیر صاحب نے فرمایا:اختر رضا!میرے دادا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمہارے دادا شیخ احمد رضا کو اتنا دیا ہے کہ گھر بھر دیا ہے،تم اپنے گھر سے ہی فیوض وبرکات کی دولت لیتے رہو تو کبھی ختم نہیں ہوگی۔'' پھر فرمایا: میں نے شیخ کے مزار پر حاضری دی، واللہ!روح خوش ہوگئی،کتنا بڑا علامہ،کیسا کامل ولی،اور میرے غوث کا فدائی،نائب!.....گفتگو جاری رکھتے ہوئے مزید فرمایا:تمہارے شیخ مصطفیٰ رضا کو بھی میرے دادا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت دیا ہے،تم تو انہیں سے لے لے کر لٹاتے رہو تو خزانہ ختم نہیں

ہوگا۔اللہ اللہ!اتنا بڑا عالم اور مفتی،لیکن میرے استقبال میں ننگے پیر رہے۔ یہ سب غوث پاک کی عقیدت ہی تو تھی۔''

[مفتی اعظم نمبر،ص ۲۵،ماہ نامہ نور مصطفیٰ پٹنہ،فروری،مارچ ۲۰۱۱ء]

بلکہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کے سامنے جب کوئی سید زادے آجاتے تو استقبال کے لیے کھڑے ہوجاتے اور سب سے پہلے دست بوسی فرماتے تھے۔ساداتِ کرام کو نذر ونیاز کرتے وقت یہ فرماتے:''قبول کر لیجیے یہ تو آپ کے گھر کے عنایت کردہ ہیں۔''سبحان اللہ!سادات کا عشق ہو تو ایسا کہ سب کچھ انہیں کے گھر کا ہے اور انہیں کو لوٹا رہے ہیں۔کیسا پاکیزہ تصورِ محبت تھا امام احمد رضا کا،کہ دُنیا جسے دیکھ کر حیران رہ جائے،اللہ اللہ!سادات کا یہ ادب واحترام،عشق وعقیدت کا یہ انداز کہ ہر عاشق رسول ان اداؤں پہ قربان وثار،تاریخ ایسے جلیل القدر عاشق رسول کو کیسے فراموش کردے،کیا امام احمد رضا قدس سرہٗ بھلا دینے والی ذات کا نام ہے؟نہیں ،ہرگز نہیں۔بلکہ یاد رکھنے،دوسروں کو بتانے اور تحقیق وریسرچ کی جانے والی علمی شخصیت کا نام امام احمد رضا ہے۔بلکہ تحدیثِ نعمت کے طور پر خود یوں فرماتے ہیں: ع

گونج گونج اُٹھے ہیں نغماتِ رضاؔ سے بوستاں

امام احمد رضا کا علمی تعارف ساداتِ کرام کی زبانی:

حقیقت تو یہ ہے کہ جس طرح امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ساداتِ کرام کی عقیدت ومحبت کا دم بھرا، نغمے گنگنائے ،قصائد لکھے،فتاوے جاری کیے،منقبتیں کہیں ،اچھے اچھے القاب وآداب سے یاد کیا،ان کے لیے پلکیں بچھائیں،دیوانہ وار نثار ہوئے،تو ساداتِ عظام نے بھی امام احمد رضا قدس سرہٗ کی دینی وعلمی اور فقہی تبحر کو داد دی،حوصلہ دیا،طرح طرح سے محبت کا اظہار کیا۔اس بارے میں بہت سارے ارشادات وواقعات موجود ہیں،چند آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں،جو نہایت مستند ومعتمد ہیں۔

[۱] حضرت سید شاہ اسمٰعیل حسن میاں قادری برکاتی مارہروی علیہ الرحمہ سے نور العارفین حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں مارہروی قدس سرہٗ نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ:جو شخص مولانا عبدالقادر بدایونی اور مولانا احمد رضا صاحب بریلوی سے محبت رکھے اسے دین دار جانو۔اور جو شخص اِن دونوں سے بُغض رکھے اُسے سمجھ لو کہ بدمذہب ہے،یا کسی بدمذہب کے پھیر میں پھنسا ہوا ہے۔اور فرماتے تھے کہ بیٹا! ہمارا اب یہی دستور العمل ہے کہ جو مسئلہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے بیان فرمادیا،اُس پر دل

فوراً مطمئن ہوگیا۔اوران کی تحقیق اورغور وتدبر کے کثیر درکثیر مشاہدات وواقعات نے یہ حالت کردی تھی: کہ جومسئلہ دریافت کرتا،اس کی نسبت لکھ دیتا کہ: مسئلہ کا حکم لکھ دیجیے دلیل کی ضرورت نہیں۔

[حیاتِ اعلیٰ حضرت،بحوالہ تصوف اورسیاست،ص ۸۷،دہلی ۲۰۱۶ء]

[۲] دوسرا حوالہ پیش خدمت ہے: تاج العرفاء حضرت علامہ مولانا سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی مارہروی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: ’’ان (اعلیٰ حضرت) کی تقریرات وتحریرات سے فقیر کو بہت کثیر فوائد دینی وعلمی حاصل ہوئے ،اور چوں کہ تقریر وتحریر میں ان کا طریقہ ،بے لوث اور مؤاخذاتِ صوری ومعنوی ،شرعی وعُرفی سے مُنزَّہ اورمُبرَّا ،ثابت ہوا،لہٰذا فقیر بھی تابہ وسعت ان کے طریقے کا اتباع کرنا پسند کرتا ہے۔‘‘[خاندانِ برکات،ص ۵۳،بحوالہ تصوف اورسیاست،ص۸۷]

[۳] تیسری شہادت خانوادۂ عالیہ اشرفیہ کے چشم وچراغ حضور سیدنا شاہ علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ کی پیش کرتا ہوں،جس روایت کے راوی حضور سیدنا محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ ہیں۔ آپ (حضرت شاہ علی حسین اشرفی میاں) فرماتے ہیں: میں فرشتوں کے کاندھے پر قطب الارشاد کا جنازہ دیکھ رہا ہوں۔[مرجع سابق،ص۹۰]

[۴] چوتھی شہادت بھی اُسی خانوادہ کے چشم وچراغ حضور سید محمد اشرفی،محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی ہے،آپ فرماتے ہیں: تصدیقِ حق میں صدیق اکبر کا پَرتو،باطل کو چھانٹنے میں فاروقِ اعظم کا مظہر،رحم وکرم میں ذُوالنورین کی تصویر،باطل شکنی میں حیدری شمشیر،دولتِ فقہ وروایت میں امیر المومنین،اور سلطنتِ قرآن وسنت کا مسلّم الثبوت وزیر المجتہدین،اعلیٰ حضرت علی الاطلاق،امام اہلِ سنت فی الآفاق،مجدد مأۃ حاضرہ،مؤیّد ملتِ طاہرہ،اعلم العلماء عند العلماء وقطب الارشاد علیٰ لسان الاولیاء،مولانا وفی جمیع الکمالات اولانا،فانی فی اللہ والباقی باللہ،عاشق کاملِ رسول اللہ،مولانا شاہ احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،[مرجع سابق،ص۸۹]

ساداتِ عظام کے یہ وقیع اور گراں قدر اور تاریخی تاثرات اس بات کا بین ثبوت پیش کرتے ہیں کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کی شخصیت ان کے نزدیک کس قدر مسلّم تھی اوران کی دینی وعلمی اورفقہی خدمات سے وہ کس قدر متاثر ومطمئن تھے۔بایں وجہ آج بھی امام احمد رضا قدس سرہٗ کے افکار وتدبر اور فقہی نظریات کی روشنی میں دورِ جدید کے نت نئے مسائل حل کیے جارہے ہیں،اوران ہی کے مشن و مسلک کو فروغ دیا جارہا ہے۔کیا یہ ان کی خداداد مقبولیت کی دلیل نہیں ہے؟ ساداتِ کرام کا وسعتِ قلبی کے ساتھ امام احمد رضا قدس سرہٗ کا اس طرح تعارف کرانا پیش آمدہ خطرات سے متنبہ کرانے کے لیے

تھا کہ لوگ جب امام احمد رضا قدس سرہٗ کی شخصیت کو موردِ الزام ٹھہرائیں گے ان کے مسلک پر حملے کریں گے، اس وقت تم ہمارے اِن اقوال وارشادات کو یاد کرلینا توتمھیں تسلی ہوجائے گی۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ساداتِ کرام کے لیے بہت لکھا،بہت کہا،لیکن آپ کا یہ شعر آج پوری دُنیا میں گونج رہا ہے، پڑھا جارہا ہے ؎

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

❁❁❁

محفلِ ذکرِ رضاؔ

’’دُنیا کی مختلف یونی ورسٹیوں میں ان (اعلیٰ حضرت) پر تھیسس لکھی گئیں۔ڈاکٹریٹ کے مقالے لکھے گئے اوران پر ڈگریاں حاصل کی گئیں، بے شمار اداروں میں ان پر سیمینار قائم ہوئے اورنجی طور پر بھی علمائے اہلِ سنت بلکہ دوسرے طبقہ کے علما نے ان کے ذکروفکر، اعتقادیات ونظریات کے تعارف اورتوضیح میں گراں قدر کتابیں لکھیں اور پوری دُنیا میں سال بہ سال ان کے نام پر عرس وایصالِ ثواب کی تقریبات منائی جارہی ہیں۔اوراب تو یہ حال ہے کہ خشکی اورتری میں ہی نہیں فضاؤں میں بھی نذرِ رضاؔ کی محفلیں قائم ہوتی ہیں ؎

گونج گونج اُٹھے ہیں نغماتِ رضاؔ سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

اس سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ حضرت پروفیسر مسعود احمد صاحب زید مجدہم کی سرپرستی میں چلنے والے ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی اور رضا اکادمی بمبئی کے کارنامے غیر معمولی ہیں۔‘‘

بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی

[جہانِ مفتی اعظم،مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی،ص ۲۷]

خدمت قرآن کریم اور امام احمد رضا محدث بریلوی

غلام مصطفیٰ قادری رضوی، باسنی ناگور شریف

رب تعالیٰ نے ہم پر احسانِ عظیم فرمایا کہ ہمیں مسلمان بنایا، عظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں بنایا، اور پھر اس رسول کو عظیم صحیفۂ قرآنی عطا فرمایا، جو بے مثل و بے نظیر ہے، جس کے امتیازات و خصوصیات کو کوئی شمار نہیں کرسکتا، دُنیا میں اس شان کی دوسری کوئی کتاب نہیں۔ اور نہ کسی بشر میں ایسی جرأت کہ اس طرح کا کلام پیش کر سکے، اس کی تلاوت سے تو دل و دماغ معطر ہوتے جاتے ہیں اور پڑھنے والا عجیب کیف و سرور کے عالم میں کھو جاتا ہے۔ یہ حیرت افزا بھی ہے اور حیرت انگیز بھی، ایمان افزا بھی ہے اور ایمان افروز بھی، دُنیا کی کسی کتاب پر نہ اتنا لکھا گیا اور نہ اس کو اتنی بار پڑھا گیا جتنی مرتبہ قرآن عظیم پڑھا گیا، دُنیا کے ہر خطے میں نہ جانے کس کس وقت اس باکمال کتاب کی تلاوت سے اہلِ ایمان؛ اپنے ایمان اور عقیدے کی کھیتی کو سرسبز و شاداب کرتے ہیں۔

قرآن پر اتنا کام ہوا ہے کہ دُنیا کی کسی کتاب پر اتنا کام نہیں ہوا۔ اسی طرح کئی زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں اور مختلف زبانوں میں تفسیریں لکھی جا چکی ہیں، یہ عظیم کتاب ہی نہیں علوم و معارف کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے، جس میں غواصی کرنے والوں نے اپنی بساط کے مطابق موتی چن چن کر جمع کیے۔ خادمین قرآن کی لمبی فہرست ہے جنہوں نے اس کی خدمت میں اپنی زندگیاں وقف کر دیں، خود گلستانِ علم و بصیرت سے پھول چنتے رہے اور دوسروں کو بھی ان کی مہک سے مہکاتے رہے، ان ہی عارفانِ باکمال میں ایک نام امام احمد رضا خان قادری برکاتی محقق و محدث بریلوی قدس سرہ السامی کا ہے؛ جنہوں نے چند سال کی عمر میں زبان و قلم سے خدمتِ قرآن کا آغاز کیا تو ۶۵ رسے زائد عمر تک وہ سلسلہ رُک نہ سکا۔ **فالحمدللہ علیٰ ذالك**۔

بلاریب! امام موصوف مختلف علوم وفنون کے جامع تھے، علم وحکمت، فقہ وبصیرت، اور جامعیت علوم وفنون میں جس کا اپنے عہد میں کوئی ثانی نظر نہیں آیا، انہوں نے ہر فن میں علمی یادگار چھوڑی ہے، ان کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے، جن میں قرآن کریم کا ترجمہ ''کنزالایمان'' اُردو تراجم قرآن میں امتیازی شان رکھتا ہے، امام احمد رضا نے قرآن مجید کا وہ خوب صورت ترجمہ کیا جو مستند تفاسیر کی ترجمانی ہے، اس کے مطالعہ سے ان کے بے پناہ تدبر و تفکر کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور محبت خدا و عظمت مصطفیٰ جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سرشار ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے،

وہ ایک ہوش مند اور باادب مترجم تھے، ان کے اس کارنامے پر اپنوں کے علاوہ غیروں نے بھی داد و تحسین کے پھول نچھاور کیے ہیں اور اسے بے مثال ترجمۂ قرآن مانا ہے، چنان چہ سعید بن یوسف زئی امیر جمعیت برادران اہل حدیث لکھتے ہیں:

''میں نہایت وضاحت کے ساتھ یہ کہوں گا کہ الٓمّٓ سے لے کر والنّاس تک ہم نے کنزالایمان میں نہ تو کوئی تحریف پائی ہے اور نہ ہی ترجمہ میں کسی قسم کی غلط بیانی پائی ہے اور نہ ہی کوئی تحریف پائی ہے، نہ ہی کسی بدعت اور شرک کے کرنے کا جواز پایا، بلکہ ایک ایسا ترجمۂ قرآن مجید ہے کہ جس میں پہلی بار اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ جب ذات باری تعالیٰ کے لیے بیان کی جانے والی آیتوں کا ترجمہ کیا گیا ہے تو بوقت ترجمہ اس کی جلالت علوے تقدس وعظمت و کبریائی کو بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے جب کہ دیگر تراجم خواہ وہ اہل حدیث سمیت کسی بھی مکتب فکر کے علما کے ہوں ان میں یہ بات نظر نہیں آتی ہے، اسی طرح وہ آیتیں جن کا تعلق محبوبِ خدا، شفیع روز جزا، سید الاولین والآخرین، امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ؎

زبان پر یہ بار خدایا کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لیے

سے ہے یا جن میں آپ سے خطاب کیا گیا ہے تو بوقت ترجمہ جناب مولانا احمد رضا خان صاحب نے یہاں پر بھی اوروں کی طرح لفظی اور لغوی ترجمہ سے کام نہیں چلایا ہے بلکہ صاحب **ماینطق عن الھوی** اور **ورفعنالك ذكرك** کے مقام عالی شان کو ہر جگہ ملحوظ خاطر رکھا ہے، یہ ایک ایسی خوبی ہے جو کہ دیگر تراجم میں بالکل ہی ناپید ہے۔(۱)

امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن کی کثیر خوبیاں اور کمالات بیان کیے گئے جو ''محاسن کنزالایمان'' اور ''توضیح البیان'' جیسی کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ تاہم واضح رہے کہ یہ تمام صفات وکمالات اسی ترجمہ میں پائی جاسکتی ہیں جس کو کسی باخبر، متبحر عالم ومفسر ومحدث نے کیا ہو، جو متعدد علوم و معارف پر دسترس رکھتا ہو، جس کی نگاہ بڑی بڑی کتب تفاسیر پر رہتی ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جو عظمت خدا و فضائلِ مصطفوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام سے خوب واقف وسرشار ہو، جس کا سینہ محبوبانِ خدا کی اُلفت وعقیدت کا گنجینہ بنا ہو، یہی وجہ ہے کہ جب وہ ترجمہ کرتے تھے تو پورا قرآن، مضامینِ قرآن اور متعلقاتِ قرآن ان کے پیشِ نظر رہا کرتے تھے، بلاشبہہ اس ترجمہ سے قرآنی حقائق ومعارف کے بے مثال اسرار و رموز منکشف ہوتے ہیں، جو علمی، ادبی اور اعتقادی حیثیت سے معیاری اور قرآن

کی حقیقی جھلک کا آئینہ دار ہے۔

علومِ قرآن میں امام احمد رضا کا مقام جاننے کے لیے اُن کی اُن تفاسیر کا مطالعہ بھی ضروری ہے جو انہوں نے وقتاً فوقتاً تحریر فرمائیں۔ فضلِ الٰہی سے وہ ایک عظیم مفسر قرآن تھے اور مفاہیم قرآنی کے واقف کار بھی، انہوں نے قرآنی آیات کی تفسیر ایمان کی نگاہ سے فرمائی، اور اس کار خیر کی انجام دہی میں سابقہ تفاسیر معتبرہ و مستندہ گویا ان کے ذہن وفکر میں بسی ہوئی تھیں، ان کی تفسیری مہارت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ آپ نے قرآن کریم کی مستقل اور مختصر تفسیر بھی لکھنا شروع فرمائی تھی مگر صرف سورۂ والضُّحیٰ کی بعض آیات کی تفسیر اسّی (۸۰) اَجزا (تقریباً ۶۰۰ صفحات) پر پھیل گئی مگر کثرتِ کار نے اس کام کی مہلت نہ دی اور مکمل تفسیر نہ لکھی جاسکی۔ خود فرماتے ہیں:

''زندگیاں ملتیں تو تفسیر لکھتے یہ ایک زندگی تو اس کے لیے کافی نہیں۔''

(جامع الاحادیث، مقدمہ، ص ۴۰۲، مطبوعہ پور بندر گجرات)

علم تفسیر قرآن کے بارے میں ملک العلماء علامہ سید ظفر الدین قادری قدس سرہ السامی رقم طراز ہیں:

''جو علم معانی نظم قرآن سے بحسب طاقت بشریہ ومقتضائے قواعد عربیہ بحث کرتا ہے وہ علم تفسیر ہے، اس کے مبادی علوم عربیہ، اصولِ کلام، اصولِ فقہ، جدل وغیرہ علوم کثیرہ ہیں اس علوم کی غرض معانی نظمِ قرآن مجید کی معرفت ہے، اس کا فائدہ بروجہ احکامِ شرعیہ کے استنباط پر قدرت حاصل ہوتا ہے، اس علم کا موضوع کلام اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے جو ہر حکمت کا منبع اور ہر فضیلت کا معدن ہے اس کی غایت، فہم معانی قرآن اور اس کے احکام مستنبط کرنے کی معرفت وصل ہے تاکہ اس کے ذریعہ سعادت دنیویہ واخرویہ حاصل کی جائے اور شرفِ علم کا باعتبار شرف موضوع اور بہترین غایت کی وجہ سے ہے، اس لیے یہ علم سب سے افضل واعلیٰ ہے۔ (۲)

اسی افضل واعلیٰ فن میں امام احمد رضا محقق بریلوی نے ۱۵ر کتابیں لکھیں، مندرجہ ذیل کتابیں قابلِ ذکر ہیں:

(۱)الزلال الانقی من بحر سبقة الاتقی (۲)تائل الراح فی فرق الریح والریاح (۳)انوار الحلم فی معانی میعاد استجب لکم (۴)الصمصام علی مشکک فی آیة علوم الارحام (۵)النفیحة الفائحه من مسک سورة الفاتحه (۶)انباء الحی ان کتابه المصئون تبیان لکل شئی

ان کے علاوہ باء بسم اللہ کی بھی بڑی محققانہ تفسیر فرمائی اور سورۃ والضُّحیٰ کی بعض آیتوں کی تفسیر ۸۰ر جز میں لکھ کر ایک یادگار کارنامہ سرانجام دیا۔ ان کے ساتھ ساتھ بیضاوی، خازن، الدرالمنثور اور معالم التنزیل جیسی معتبر تفاسیرِ قرآن پر بڑا جان دار حاشیہ لکھا، اُصول تفسیر میں الاتقان (للسیوطی) پر بھی حواشی رقم فرمائے۔ رسم خط قرآن سے متعلق بھی ایک کتاب "**جالب الجنان فی رسم احرف من القرآن**" لکھی۔ ان تمام علمی ذخائر کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن میں امام موصوف کا پایہ کتنا بلند تھا۔

ائمہ تفاسیر نے تفسیر قرآن کے لیے چار اُصول متعین کیے ہیں اور پانچواں اُصول انہیں پر متفرع اور انہیں سے ماخوذ ہے، ترتیب اس طرح ہے:

(۱)تفسیر القرآن بالقرآن (۲)تفسیر القرآن بالحدیث (۳)تفسیر القرآن باثار الصحابة والتابعین العظام (۴)تفسیر القرآن باللغة العربیة والقواعد

اور پانچواں طریقہ یہ کہ مندرجہ بالا میں سے کسی کے ذریعہ مؤید وثابت ہو۔

مندرجہ بالا اُصول تفسیر کے مطابق امام احمد رضا کے متعدد تفسیری افادات ان کی تصانیف میں موجود ہیں، سب سے پہلے انہوں نے قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے فرمائی اور اس خصوص میں انہوں نے اسلافِ کرام کی پیروی کی۔ اور حقیقت یہی ہے کہ قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر اگر خود قرآن مجید نے کردی ہو تو اس کو سب پر مقدم رکھا جائے گا۔ لہٰذا تفسیر لکھتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا جائے گا، امام احمد رضا نے تفسیر القرآن بالقرآن سے متعلق جو مثالیں پیش فرمائی ہیں ان میں سے ایک مثال بطورِ نمونہ ہدیۂ قارئین ہے:

امام احمد رضا نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیادت مطلقہ کے سلسلے میں ایک آیت نقل فرمائی:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سورۃ سبا:۲۸)

''اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے۔''

اس کی مزید وضاحت وتفسیر کے لیے دوسری آیت پیش فرمائی:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۔

(سورۃ الفرقان:۱)

''بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اُتارا قرآن اپنے بندہ پر جو سارے جہاں کو ڈر سنانے

والا ہے۔''

پہلی آیت سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت تمام انسانوں کی طرف معلوم ہوئی تھی لیکن دوسری آیت نے واضح کر دیا کہ آپ تمام جہان کے رسول ہیں۔ اب امام احمد رضا کا تشریحی بیان سنیے! فرماتے ہیں:

''تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کو تمام انس وجن کا رسول بنایا۔'' علما فرماتے ہیں:

''رسالتِ والا تمام جن وانس کو شامل ہونا اجماعی ہے اور محققین کے نزدیک ملائکہ کو بھی شامل کما حققناہ بتوفیق اللہ تعالیٰ فی رسالتنا اجلال جبرئیل بلکہ تحقیق یہ ہے کہ حجر وشجر و ارض وسما جہاں وبحار ماسویٰ اس کے احاطہ عامہ ودائرہ تامہ میں داخل۔ اور خود قرآن عظیم میں لفظ ''عالمین'' اور روایت صحیح مسلم میں لفظ ''خلق'' وہ بھی مؤکد بہ کلمہ ''کافۃ'' اس مطلب پر احسن الدلائل۔'' (۴)

تفسیر قرآن باحادیث مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق تو امام احمد رضا کی تالیفات بھری ہوئی ہیں اور اس سلسلے میں ان کی ایک ایک تفسیر دل ودماغ کو معطر ومعنبر کر دیتی ہے، ایمان و عقیدے کو جلا بخشتی ہے اور معلومات وحقائق کی دُنیا میں لے جاتی ہے۔ امام احمد رضا کی کتب ورسائل اور ''جامع الاحادیث'' کی آخری ۴ رجلدوں کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔ تاہم یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ امام احمد رضا بے مثال مفسرِ قرآن تھے اور اس کا ثبوت ان کی تفسیری خوبیاں ہیں؛ مگر مطالعہ کے بغیر اگر کوئی انہیں ''قلیل البضاعۃ فی الحدیث و التفسیر'' کہے تو اس کی بات کا کیا اعتبار ہوگا؟

مفتی منظور احمد سعیدی ریسرچ اسکالر جامعہ حامدیہ رضویہ کراچی نے بڑی پتے کی بات کہی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفسیر کی کتاب ''تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما'' وہ کتاب ہے جو آپ نے نہیں لکھی تھی بلکہ آپ سے مروی تفاسیر کو جمع کر دیا گیا تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس کتاب تفسیر کی وجہ سے ترجمان القرآن نہیں کہا جاتا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ مفسر قرآن ہونے کے لیے مصنف تفسیر ہونا ضروری نہیں۔ امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد آیات کی تفاسیر لکھیں اور متعدد آیات کی تطابیق ذکر فرمائیں آپ نے ان تطابیق میں سیر حاصل بحث فرمائی۔'' (۵)

امام احمد رضا نے قرآنِ کریم سے ایمانی تقویت پائی، رفعت وعظمت مصطفیٰ کے (بیاں کے) طریقے سیکھے، آدابِ بارگاہِ مصطفیٰ کے ڈھنگ حاصل کیے اور اسی کی تعلیم اہلِ ایمان کو عطا فرمائی، تفہیم قرآن کے سلسلے میں ان کے کس کس پہلو کو بیان کیا جائے، ہر پہلو پُرکشش، ہر جہت سے بھینی بھینی خوش

بو پھوٹتی نظر آرہی ہے۔ وہ قرآن کریم کے مقدس کلمات سے ایسے ایسے نکات بیان فرما دیتے ہیں کہ بس عش عش کرنے کو جی چاہتا ہے اور اس خصوص میں ان کی فکر انگیز تحقیقات واکتشافات کا دور دور تک کوئی جواب نہیں ملتا، یہ بے مثل فہم وذکا، یہ بے نظیر علم وفضل اور یہ گونا گوں صلاحیتیں قدرت نے کسی خاص مقصد کے لیے آپ کو ارزاں فرمائی تھیں، پھر اخلاص ومحبت نے ان کو اور سرخروئی عطا فرما دی، یقین کی تجلی کا یہ نمونہ تو دیکھیے، قرآن کریم کی آیت میثاق کی آپ نے جو تفسیر اور وضاحت فرمائی ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے، ملاحظہ کیجیے!۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۔

(سورۃ آل عمران:۸۱)

''اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا فرمایا: کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا: تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ! اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

اب امام احمد رضا کا ایمان افروز تبصرہ پڑھیے، فرماتے ہیں:

''کوئی رسول رسالت سے معزول نہیں کیا جاتا ہے نہ سیدنا مسیح علیہ الصلاۃ والسلام رسالت سے معزول ہوں گے نہ حضور کا اُمتی ہونا رسالت کے خلاف، وہ قبل نزول اپنے عہد میں بھی ہمارے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُمتی تھے اور بعد رفع بھی اُمتی ہو کر اُتریں گے، تمام انبیا ومرسلین بھی اپنے عہد میں حضور کے اُمتی تھے اور اب بھی اُمتی ہیں، جب بھی رسول تھے اور اب بھی رسول ہیں کہ ہمارے حضور نبی الانبیاء ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ:

لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (سورۃ آل عمران:۸۱)

ہاں اُس وقت وہ اپنی شریعت پر حکم فرماتے تھے اب کہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلاۃ والتحیۃ نے اگلی شریعتیں منسوخ فرما دیں، ایک حضرت مسیح نہیں جو کوئی رسول بھی اب ظاہر ہو شریعت محمدیہ پر ہی حکم کرے گا کہ منسوخ پر حکم باطل۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''اگر موسیٰ میرا زمانہ پاتے تو میرے اتباع کے سوا انہیں کچھ گنجائش نہ ہوتی۔'' (۶)

قرآن کریم حقائق ومعانی کا بحرِ بے کراں ہے، اس سے موتی چن چن کر لانا صاحبانِ فکرو بصیرت ہی کا کام ہے، امام احمد رضا نے بھی اس بحرِ علوم وفنون میں غواصی کی اور متنوع جواہرات منتخب کر کے ہماری علمی رہنمائی فرمائی اور خدمتِ قرآن کا نمونہ پیش کیا۔ آپ ہی کے ایک معاصر علامہ وصی احمد صاحب محدث سورتی نے مغرب کے وقت کے متعلق سوال کیا کہ نمازِ مغرب کا وقت اُفق شرقی کی جڑ سے سیاہی نمودار ہوتے ہی معاً ہوجاتا ہے یا جب سیاہی بلند ہوجاتی ہے اس وقت آفتاب ڈوبتا ہے، برتقدیر ثانی وہ بلندی کتنے گز ہوتی ہے اور آبادیوں میں سیاہی شرق سے نظر آنے پر نماز کا وقت سمجھا جائے گا یا نہیں؟

امام احمد رضا نے یہاں قرآن کریم سے ایک اچھوتا استدلال کیا اور بتادیا کہ اس صحیفہ ربانی میں ہر چیز کا بیان ہے، بس نظرِ عمیق کی ضرورت ہے۔ چنان چہ رقم فرماتے ہیں:

''وباللہ التوفیق اُفق شرقی سے سیاہی کا طلوع قرص شمس کے شرعی غروب سے بہت پہلے ہوتا ہے سیاہی کئی گز بلند ہوجاتی ہے اس وقت آفتاب ڈوبتا ہے جس طرح قرص شمس کے شرعی طلوع سے سیاہی غربی کا غروب بہت بعد ہوتا ہے آفتاب مرتفع ہوجاتا ہے، اس وقت تک سواد مرئی رہتا ہے اس پر عیان وبیان وبرہان سب شاہد عادل ہیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"لیس الخبر کالمعاینة" جسے شک ہو طلوع وغروب کے وقت جنگل میں جاکر جہاں سے دونوں جانب اُفق نظر آئیں مشاہدہ کرے جو کچھ مذکور ہوا آنکھوں سے مشاہدہ ہوجائے گا۔ الحمدللہ عجائبِ قرآن منتہی نہیں کما فی حدیث الترمذی عن امیر المومنین علی عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا تنقضی عجائبہ ایک ذرا غور سے نظر کیجیے! تو آیۂ کریمہ: "تولج اللیل فی النھار وتولج النھار فی اللیل" کے مطالعہ رفیعہ سے اس مطلب کی شعاعیں صاف چمک رہی ہیں۔ رات یعنی سایۂ زمین کی سیاہی کو حکیم قدیر عزجلالہٗ دن میں داخل فرماتا ہے اور ہنوز دن باقی ہے کہ سیاہی اٹھائی اور دن کو سواد مذکور میں لاتا ہے، ابھی ظلمتِ شبینہ موجود ہے کہ عروس خاور نے نقاب اٹھائی۔ (۷)

یہ ہیں امام احمد رضا کے علم قرآن (میں مہارت) کی بلندیاں، جنہیں دیکھ کر اہلِ علم وعرفان داد وتحسین کے گجرے پیش کررہے ہیں۔ مگر آیئے! اس صحیفۂ بے مثال، قرآن حکیم کے آداب ولوازمات سے متعلق کچھ افاداتِ رضویہ سے بھی اپنی بصیرت وبصارت کو مستحکم کریں اور ان کو عملی جامہ

پہنا کر دُنیوی اور اخروی سرفرازی حاصل کرنے کی سعی کریں۔

امام احمد رضا پر خدائے قدیر کی خصوصی عنایتیں اور نوازشات برستی رہیں کہ انہوں نے جس علم وفن کی طرف نظر کی؛ اس کی گہرائی تک پہنچ گئے، جس علم کی طرف توجہ فرمائی اسے کمال تک پہنچانے میں لگ گئے۔ ان ہی علوم میں ایک علمِ تجوید ہے، جس میں امام موصوف نے مہارتِ تامہ حاصل کی اور اس فن پر اپنی یادگاریں چھوڑ گئے۔

بلاشبہہ علمِ تجوید کی بڑی اہمیت وعظمت ہے، جس میں قرآن مجید کو صحیح ادائیگی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، اسی طرح جیسا کہ نازل ہوا تھا۔ قرآنی حروف کو صحیح حروف اور لوازمات تجوید کے ساتھ پڑھنے کا یہ سلسلہ عہد رسالت سے آج تک جاری ہے۔ امام احمد رضا اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

''تجوید بنص قرآن واخبار متواترۂ سید الانس والجان علیہ وعلیٰ الہ افضل الصلاۃ والسلام واجماع تام صحابہ وتابعین وسائر ائمہ کرام علیہم الرضوان المستدام حق وواجب وعلم دین شرع الٰہی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

"وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً ۔" اسے مطلقاً ناحق بتانا کلمۂ کفر ہے، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ ہاں جو اپنی ناواقفی سے کسی خاص قاعدے پر انکار کرے وہ اس کا جہل ہے اُسے آگاہ ومتنبہ کرنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۸)

علم تجوید میں امام احمد رضا کی دسترس کا اندازہ اس سے لگایئے! کہ اس فن میں آپ نے مستقل تین رسالے تصنیف فرمائے:

(۱) نعم الزاد لروم الضاد (۲) الجام الصاد عن سنن الضاد (۳) یسر الزاد لمن ام الضاد

پھر ان رسائل میں قراءت وتجوید کے جو اسرار ورموز اور احکام بیان کیے گئے ہیں، انہیں دیکھ کر عش عش کرنا پڑتا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

''اس قدر تجوید جس کے باعث حرف کو حرف سے امتیاز اور تلبیس وتبدیل سے احتراز حاصل ہو واجبات عینیہ واہم مہماتِ دینیہ سے ہے، آدمی پر تصحیح مخارج میں سعی تام اور ہر حرف میں اس کے مخرج سے ٹھیک ادا کرنے کا قصد واہتمام لازم کہ قرآن مطابق ما انزاللہ پڑھے نہ معاذ اللہ مداہنت اور بے پرواہی کہ آج کل کے عوام بلکہ یہاں کے کثیر بلکہ اکثر خواص نے اپنا شعار کرلیا۔'' (۹)

امام احمد رضا محقق بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن مجید کی قراءت کے تعلق سے متعدد سوالات ہوئے جن کے آپ نے تفصیلی جوابات عطا فرمائے اور عوام کو اپنی نماز کی حفاظت کی تعلیم

فرماتے رہے۔قواعد وتجوید وقراءت میں غلطیاں کرنے سے بچنے کی تاکید فرماتے رہے۔اس طرح آپ نے خدمتِ قرآن کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دیا۔

بلاریب! قرآن وہ عظیم کتاب ہے جس کی کوئی مثال نہیں، کسی مصنف نے اپنی کتاب پڑھنے کے آداب نہیں بتائے یہ قرآن کا امتیاز ہے کہ اس نے اپنی تلاوت کے طور طریقے بتائے۔اور حقیقت بھی ہے کسی بھی چیز کے آداب ولوازمات سے جان کاری حاصل کرکے اس سے استفادہ کیا جائے تو خاطر خواہ کامیابی ملتی ہے۔

امام احمد رضا فیضانِ قرآن سے مالا مال تھے اس لیے اس کے آداب سے بھی ہمیں آگاہ فرماتے رہے،قرآن کریم کی عظمت ہمارے قلوب واذہان میں بٹھاتے گئے،اس کی بے ادبی سے بچنے کی تاکید فرماتے رہے۔چنان چہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''بو کی حالت میں کوئی وظیفہ نہ چاہیے،منھ اچھی طرح صاف کرنے کے بعد ہو۔اور قرآن عظیم تو حالت بدبو میں پڑھنا اور بھی سخت ہے، ہاں جب بدبو نہ ہو تو درود شریف ودیگر وظائف اس حالت میں بھی پڑھ سکتے ہیں کہ منھ میں پان یا تمباکو ہو اگرچہ بہتر صاف کرلینا ہے،لیکن قرآن عظیم کی تلاوت کے وقت ضرور منھ بالکل صاف کرلیں۔فرشتوں کو قرآن عظیم کا بہت شوق ہے اور عام ملائکہ کو تلاوت کی قدرت نہ دی گئی۔جب مسلمان قرآن شریف پڑھتا ہے فرشتہ اس کے منھ پر منھ رکھ کر تلاوت کی لذت لیتا ہے اس وقت اگر منھ میں کھانے کی چیز کا لگاؤ ہوتا ہے فرشتہ کو ایذا ہوتی ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"طیبوا افواھکم بالسواك فان افواھکم طریق القرآن" اپنے منھ مسواک سے ستھرے کرو کہ تمہارے منھ قرآن عظیم کا راستہ ہیں۔(۱۰)

امام احمد رضا سے سوال ہوا کہ اگر قرآن عظیم صندوق میں ہو، اور ریل کا سفر یا کسی دوسری سواری سفر کررہا ہے اور تنگی جگہ کے باعث مجبور ہے تو ایسی صورت میں صندوق نیچے رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ آپ نے بڑا پیارا جواب دیا،فرماتے ہیں:

''ہرگز نہ رکھے انسان خود مجبوریاں پیدا کرلیتا ہے ورنہ کچھ دُشوار نہیں جس کے دل میں قرآن کی عظمت ہے وہ ہر طرح سے اس کی تعظیم خیال رکھے گا۔''(۱۱)

یہ ہیں قرآن کریم کے تعلق سے افکار امام احمد رضا۔جس عظیم کتاب کی خدمت میں انہوں نے اپنی زبان وقلم کا استعمال کیا اس کا صلہ انہیں خوب خوب ملا۔کہنے والے نے بڑے اچھوتے انداز میں کہا ہے ؎

خدمت قرآن پاک کی وہ لاجواب کی
راضی رضاؔ سے صاحبِ قرآں ہے آج بھی

حوالے

(۱) ماہ نامہ حجاز جدید دھلی ستمبر اکتوبر ۱۹۸۹ء،ص ۱۸،۱۹
(۲) مولانا ظفر الدین بہاری، حیاتِ اعلیٰ حضرت، ج ۲،ص ۵۷،مطبوعہ ممبئی
(۳) امام احمد رضا بریلوی، جامع الاحادیث،مطبوعہ ممبئی
(۴) امام احمد رضا بریلوی، تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین،ص ۲۶
(۵) سال نامہ معارفِ رضا کراچی ۲۰۰۶ء،ص ۲۰
(۶) امام احمد رضا محدث بریلوی، فتاویٰ رضویہ، ج ۱۱،ص ۴۵،مطبوعہ ممبئی
(۷) امام احمد رضا محدث بریلوی، فتاویٰ رضویہ، ج ۲،ص ۲۱۷،مطبوعہ ممبئی
(۸) امام احمد رضا محدث بریلوی، فتاویٰ رضویہ، ج ۳،ص ۱۱۸،۱۱۹،مطبوعہ ممبئی
(۹) امام احمد رضا محدث بریلوی، فتاویٰ رضویہ، ج ۳،ص ۹۷،مطبوعہ ممبئی
(۱۰) امام احمد رضا محدث بریلوی، احکام شریعت،ص ۱۳۸،۱۳۹
(۱۱) الملفوظ، ترتیب مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان قادری، حصہ ۱،ص ۶۰،۶۱

☆☆☆

مفتی اعظم کی جامعیت

''اعلیٰ حضرت نے اپنی حیاتِ طیبہ میں سیکڑوں مسائل لکھوائے۔اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد آپ کے آستانہ پر آنے والے ہزار ہا ہزار مسائل لکھنے والے صرف دو تھے۔ایک حضرت مفتی اعظم، دوسرے حضرت صدر الشریعہ۔حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ اگرچہ حضرت مفتی اعظم کے استاد تھے اور خود زبردست مفتی تھے، مگر مسائل ان دونوں حضرات کے یہاں ارسال فرمادیتے۔بہت کم ایسا اتفاق ہوتا کہ خود کوئی فتویٰ تحریر فرماتے،اور جب حضرت صدر الشریعہ اجمیر شریف چلے گئے تو تنہا مفتی اعظم آستانے پر آنے والے تمام مسائل کو لکھا کرتے۔اس زمانے میں لوگ دین دار، آج کی بہ نسبت بہت زیادہ تھے۔ہر معاملے میں حکم شرعی دریافت کرتے تھے اور دینی مدارس وہ بھی اہلِ سنت کے، بہت ہی کم تھے، آج بحمدہ تعالیٰ بہ کثرت ہیں اور تقریباً ہر مدرسے میں دار الافتاء ہے۔اب اندازہ لگائیں کہ حضرت مفتی اعظم کتنے مسائل لکھتے رہے ہوں گے؟ پھر فتویٰ کی شان وہ تھی، مفتی اعظم کا قلم ہے اور مضمون اعلیٰ حضرت کا۔اس وقت ملک کے طول وعرض میں بہت سے مفتی تھے۔کسی کے یہاں وہ جامعیت جو مفتی اعظم کے فتویٰ میں تھی نہیں ملتی، اور نہ ملے گی۔''

حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ

[جہانِ مفتی اعظم،مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی،ص ۲۵۳]

مفتی اعظم کا ذرّہ کیا بنا اخترؔ رضا!

تاثرات: علامہ سید مظفر شاہ قادری رضوی، کراچی

میں کیا کہوں؟ اور میرے جیسے بے کار آدمی کی کیا حیثیت ہے کہ مفتی اعظم ہند رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہے، میرے شیخ (حضرت تاج الشریعہ) نے؛ جن کا نظیر یقیناً کوئی نہیں ملتا، انہوں نے یہ جملہ (مصرع) کہا ہے کہ ع

مفتی اعظم کا ذرّہ کیا بنا اخترؔ رضا

بلندی آپ دیکھیے مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی؛ کہ آج حضور تاج الشریعہ کی سلاست، اور میں ایک بات یہاں پر عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ حضور زیبِ سجادہ حضور تاج الشریعہ دامت برکاتہم العالیہ، فتاویٰ رضویہ شریف کی تعریب فرما رہے ہیں؛ یعنی عربی میں کر رہے ہیں، آپ کے ساتھ ایک مولانا ہوتے ہیں، وہ اردو کے اندر پڑھتے ہیں۔ میں زمبابوے میں حضرت کے ساتھ رہا، ہرارے میں حضرت کے ساتھ رہا۔ میں نے دیکھا کہ اللہ نے علم اعلیٰ حضرت کے خاندان کو ایسا عطا فرمایا ہے کہ؛ حضور تاج الشریعہ اس وقت شوگر کا مرض بڑھنے کی وجہ سے بظاہر جو بصارت ہے وہ اتنی کم زور ہے کہ؛ آپ کو کاغذ کے اوپر لکھی ہوئی عبارت نظر نہیں آتی۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا پورا ایک پیرا گراف اردو میں مولانا پڑھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ کسی مفتی کو آپ بٹھائیں، اس کے سامنے اردو میں ایک دفعہ فتاویٰ رضویہ کا پیرا گراف پڑھیں، اس کو کہیں کہ یہی اردو دوبارہ سنا دو، وہ نہیں سنا سکتا۔ کیوں کے تحریر اعلیٰ حضرت کی اردو میں ہی ہے۔ ایک پیرا گراف۔ یعنی دو چار لائنیں۔ اگر کسی بہت بڑے عالم کے سامنے بھی پڑھ دی جائے فتاویٰ رضویہ کی (عبارت)؛ ایک مسئلے کے جواب میں اور پھر کتاب سامنے رکھیں کہ آپ پڑھیے ذرا ہو بہو ویسی۔ تو میں کہتا ہوں کہ بہت ممکن ہو تو وہ ایک لائن پڑھیں گے دوسری میں ڈگمگا جائیں گے یا الفاظ آگے پیچھے ہو جائیں گے۔ مفہوم و مضمون صحیح بیان کر جائیں گے؛ لیکن لفظ ان کے آپس میں مل جائیں گے۔ لیکن حیرانگی ہوتی ہے اس خاندان پر۔ حضور تاج الشریعہ کے سامنے مولانا پورا ایک پیرا گراف پڑھ کے چپ کرتے ہیں؛ آپ اس کی پوری تعریف بیان کرتے ہیں۔ یعنی وہ اردو میں پیرا گراف پورا کرتے ہیں اور آپ اپنی زبان میں اس کو عربی میں کر کے بیان کرتے ہیں۔ اور وہ جملہ ریکارڈ ہو رہا ہوتا ہے۔ اس کے بعد دوسرا جو ڈیپارٹمنٹ ہے وہ عربی سے اس کو تحریر کرتا

ہے اور تحریر کرنے کے بعد وہ علما جو جامعہ اشرفیہ کے؛ ادھر کے؛ جو ادب میں عبور رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ: الفاظ بھی ایسے نکلتے ہیں جو فصاحت میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ اور الحمد للہ! میرے شیخ نے اس وقت تین جلدیں فتاویٰ رضویہ کی مکمل عربی میں کر دی ہیں؛ اور عربی بھی وہ جس کو مصری بھی دیکھے تو کتاب پر نثار ہو جائے۔ عربی بھی وہ؛ جس کو شامی دیکھے تو کتاب پر نثار ہو جائے۔ کیوں کہ عربی کرنا تو کوئی بھی رسالہ آپ لائیے وہ تو کوئی بھی کر دیتا ہے، لیکن ان کے مزاج کے اعتبار سے، جو تعبیرات وہ رکھتے ہیں اس کا لحاظ رکھنا، ان کی زبان کا لحاظ رکھنا، اُس کے تسلسل کا لحاظ رکھنا، تو میں کہتا ہوں یہ مَلَکہ تاج الشریعہ قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کو علمی تبحر کا یہاں پر آج ہے۔

میرا یہ معاملہ خود ہوا۔ میں نے کہا ذہبی جو ہے حضور! وہ ابنِ تیمیہ کا شاگرد ہے آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ آپ تو مفتی ہیں، فتویٰ بیان فرماتے ہیں۔ میں آپ سے آٹھ سو سال پرانی بات بیان کر رہا ہوں اور چلتے چلتے میں نے حضور تاج الشریعہ سے کہا، میں نے کہا حضرت اس نے لکھا ہے کہ ذہبی جو ہے وہ ابنِ تیمیہ کے شاگرد ہیں، میں جواب کیا لکھوں۔ میرے ساتھ میرے ایک دوست بھی تھے۔ آپ نے فوراً اُنہیں کی کتاب ''سِیَر'' کا حوالہ دے کر اور ایک اور کتاب کا حوالہ دے کر فرمایا: اُدھر دیکھیے انہوں نے رد لکھا ہے۔ اور جو جملے آپ نے عربی کے پڑھے تھے خدا کی قسم وہی کتاب میں لکھے ہوئے تھے۔ اور یہ اہتمام کے ساتھ نہیں ہے؛ چلتے چلتے۔ تو اب آپ اندازہ لگائیے کہ اس خاندان پر اللہ رب العالمین جل وعلا نے کیسا فضل رکھا ہے؛ اور جس شخصیت کا آج کوئی نظیر نہیں، میں کہتا ہوں تاج الشریعہ کی نظیر نہیں۔ نہ تقویٰ میں کوئی نظیر ہے؛ نہ علم میں کوئی نظیر ہے۔ جب اُن سے پوچھا گیا کہ حضور آپ جانشین ہیں مفتی اعظم ہند کے۔ آپ کو کرسی (جانشینی) ملی ہے، آپ کو اُن کی جانب سے قضا کی اجازت ملی ہے، آپ اُن کے نائب ہیں فتوے میں۔ آپ نے حضور مفتی اعظم ہند کو کیسا پایا؟ تو اِس وقت کا اتنا بڑا اِمام؛ وہ یہ کہہ کر خاموش ہوتے ہیں کہ جناب!

مفتی اعظم کا ذرّہ کیا بنا اخترؔ رضا

تو میں کہتا ہوں کہ جناب اِس سے آپ اندازہ لگائیے کہ سرکار مفتی اعظم ہند کے علم کا جو آفتابِ نیم روز ہے وہ کتنی بلندی پر اپنی روشنی کو پھیلا رہا ہے۔

نوٹ: یہ تاثرات آپ کے ایک خطاب سے ماخوذ ہیں۔

[ترتیب: محمد سعید رضا، نوری مشن مالیگاؤں]

☆☆☆

رضا اکیڈمی کی خدمات
[۲۰۱۶-۱۷ء میں]

دسمبر ۲۰۱۶ء

۶ر دسمبر: بابری مسجد کی شہادت پر ہر سال کی طرح امسال بھی اجتماعی طور پر ۳ر بج کر ۴۵ر منٹ پر اذانیں دی گئیں۔

۷ر دسمبر: بابری مسجد کی شہادت پر ممبئی کی مساجد اذان کی روح پرور آواز سے گونج اُٹھیں۔ ۱۹۹۲ء سے ہر سال بابری مسجد کی بازیابی کے لیے اذان کا اہتمام ہوتا ہے۔

۷ر دسمبر: بابری مسجد کی ازسرِنو تعمیر کے لیے مطالبات پر مشتمل میمورنڈم رضا اکیڈمی نے صدر جمہوریہ کو پیش کیا

۲۴ر دسمبر: ملک شام میں مسلمانوں پر ہو رہے مظالم کے خلاف پر امن احتجاج۔

۲۸ر دسمبر: مولانا حنیف خان رضوی کے فرزند کے انتقال پر الحاج محمد سعید نوری کا اظہارِ تعزیت۔

۳۰ر دسمبر: اوقاف کے مسائل کے حل کے سلسلے میں وزیر اعلیٰ سے ملاقات۔

جنوری ۲۰۱۷ء

۶ر جنوری: کھڑک اسٹریٹ ممبئی میں تین روزہ جشن غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا انعقاد۔

۱۳ر جنوری: آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی جانب سے رضا اکیڈمی کے سربراہ الحاج محمد سعید نوری صاحب کو ''فخر ملت'' کا خطاب وایوارڈ دیا گیا۔ یہ اعزاز بموقع جلوسِ غوثیہ عنایت ہوا۔

۱۷ر جنوری: رضا اکیڈمی کی کوشش سے آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے دفتر کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

۱۹ر جنوری: مسلمانوں کا ووٹ تناسب بڑھانے کے لیے رضا اکیڈمی نے ووٹ کی اہمیت پر بیان جاری کیا اور اپنے جمہوری حق کے استعمال کی اپیل کی۔

۲۱ر جنوری: بھیونڈی میں ۳ر بچوں پر ہو رہے مظالم کے خاتمہ کے لیے رضا اکیڈمی کی کامیاب کوشش۔ بچوں کو ظالم باپ سے چھٹکارہ دلایا گیا۔

۲۲ر جنوری: رضا اکیڈمی کی ائمۂ مساجد کے ذریعہ ''گھروں سے نکلو ووٹ دو'' مہم کا فروغ۔

۲۴ر جنوری: الحاج محمد سعید نوری کو ''فخر ملت ایوارڈ'' ملنے پر استقبال وگل پوشی؛ من جانب رحمانی گروپ، دیگر اداروں اور شخصیات نے بھی ستائش کی۔

۲۹ر جنوری: حضور پاک ﷺ کی شان میں خاتون کے ذریعے گستاخی کے خلاف ایف آئی آر درج

کروائی گئی۔

۳۱ر جنوری: داعش کے ذریعے حضرت یونس علیہ السلام کے مزار کی شہادت پر رضا اکیڈمی کا احتجاج۔

فروری ۲۰۱۷ء

۳ر فروری: رضا اکیڈمی نے ووٹ (دستوری حق رائے دہی) کی اپیل کے لیے ۵۰۰ر ائمہ کو خطوط بھیجے،

۹ر فروری: رضا اکیڈمی کی جانب سے ووٹنگ بیداری مہم مسلسل جاری، اس سمت میں مزید قدم بڑھاتے ہوئے اسٹیکر و بیجز بچوں کے ذریعے آویزاں کیے گئے۔

۱۸ر فروری: درگاہ حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ پر حملے کے خلاف دہلی میں پاکستانی سفارت خانہ کے پاس رضا اکیڈمی کا پر امن مظاہرہ و دہشت گردوں پر کارروائی کا مطالبہ۔

۱۳ر فروری: زی نیوز پر چلنے والے پروگرام ''فتح کا فتویٰ'' کا رضا اکیڈمی نے بائی کاٹ کیا اور بیان دیا کہ علماے کرام طارق فتح کے پروگرام میں ہرگز شریک نہ ہوں۔

۲۳ر فروری: مزارات کے تقدس کی پامالی نہ قابلِ برداشت: جمعہ کو مینارہ مسجد کے پاس احتجاجی مظاہرہ۔ ممبئی میں داعش کے خلاف نعرے بلند ہوئے۔ اور دہشت گردی کی مذمت کی گئی۔

مارچ ۲۰۱۷ء

۱۰ر مارچ: اسیمانند کی رہائی پر الحاج محمد سعید نوری نے کہا کہ اجمیر بم بلاسٹ کا کلیدی ملزم اسیمانند کا رہا کیا جانا حیران کن ہے۔

۱۳ر مارچ: بریلی شریف میں سنی بریلوی کانفرنس میں عقیدت مندوں کا ہجوم، علما کا خطاب ونصیحت۔

۱۷ر مارچ: بریلی سے ۷۰ر کلومیٹر کے فاصلے پر جیانا گلا گاؤں میں مسلمانوں کے خلاف منافرت والے پوسٹر جس میں مسلمانوں کو گاؤں چھوڑنے کی دھمکی دی گئی؛ کے خلاف وزیر داخلہ حکومتِ ہند راج ناتھ سنگھ کو مکتوب دیا گیا۔

۲۰ر مارچ: گھوگھاری محلہ نوری محفل میں یوم وصال خلیفۂ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انعقاد کیا گیا۔

۲۰ر مارچ: مسجد اقصیٰ میں اذان پر پابندی کے خلاف رضا اکیڈمی نے عالم اسلام سے بیداری کی اپیل کی۔

۲۱ر مارچ: چیتا کیمپ میں متنازعہ پوسٹ کے بعد فرقہ وارانہ منافرت پر جوائنٹ کمشنر آف پولس (لا اینڈ آرڈر) ویوین بھارتی سے ملاقات اور قیام امن وخاطیوں پر کارروائی کا مطالبہ۔

اپریل ۲۰۱۷ء

۲ر اپریل: رضا اکیڈمی نے جلوسِ غریب نواز کا اہتمام کیا، واضح ہو کہ یہ دوسرا جلوسِ مبارک تھا۔

۱۴؍اپریل: مسلمانوں کوطلاق کے شرعی طریقوں سے آگاہ کرنے کی رضا اکیڈمی کی مہم۔
۱۶؍اپریل: آرایس ایس کی سازش سے الحاج محمد سعید نوری صاحب نے باخبر کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں فرقہ پرستانہ قوتوں سے بیدار رہنا ہوگا۔
۱۸؍اپریل: اذان سے متعلق سونونگم کے منفی ٹویٹ پر برہمی کا اظہار۔
۱۹؍اپریل: اذان کے معاملے میں منفی ریمارک پر سونونگم پر ایف آئی آر درج کی جائے: رضا اکیڈمی کا مطالبہ
۲۰؍اپریل: رضا اکیڈمی و دیگر تنظیموں کی جانب سے ناگپاڑہ پولس اسٹیشن (ممبئی) میں سونونگم کے خلاف ایف آئی آر کا اندراج۔
۲۰؍اپریل: بابری مسجد کی شہادت کے ملزم بی جے پی کے وزرا و اراکین پارلیمنٹ اپنے عہدوں سے استعفیٰ دیں: رضا اکیڈمی۔
۲۰؍اپریل: بابری مسجد کیس میں بی جے پی کے اڈوانی، مرلی منوہر جوشی جرم کے مرتکب قرار دیے جانے پر کلیان سنگھ اور اوما بھارتی کو فوراً اپنے عہدے سے مستعفی ہوجانا چاہیے: رضا اکیڈمی کا مطالبہ۔
۲۱؍اپریل: سونونگم کی گرفتاری کے لیے رضا اکیڈمی سرگرم: الحاج محمد سعید نوری کی قیادت میں جوائنٹ کمشنر آف پولس ممبئی سے ملاقات۔
۲۶؍اپریل: گئو رکھشکوں کی غنڈہ گردی کے ضمن میں کارروائی کے مطالبے پر مشتمل میمورنڈم وزیر داخلہ راج ناتھ سنگھ کو رضا اکیڈمی نے روانہ کیا۔
۳۰؍اپریل: امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے یومِ وصال پر رضا اکیڈمی و رضا ایجوکیشنل سوسائٹی کے اراکین نے گرمی کے موسم میں محمد علی روڈ پر مینارہ مسجد سے قریب عوام کو شربت اور پانی پلا کر راحت پہنچائی۔

مئی ۲۰۱۷ء

۲؍مئی: اتر پردیش میں عید میلاد النبی ﷺ کی چھٹی برقرار رکھی جائے۔ رضا اکیڈمی نے یوپی حکومت کو خط لکھ کر مطالبہ کیا۔
۳؍مئی: الیکشن میں ای وی ایم مشین سے متعلق شکایت پر؛ اس کے خلاف دستخطی بیداری مہم چلائی گئی۔
۷؍مئی: دلت مسلم طاقت سے ہی فرقہ پرستوں پر لگام کسی جاسکتی ہے۔ سہارن پور فساد کے بعد ایک وفد نے دلت لیڈر آنند راج امبیڈکر سے ملاقات کی اور فرقہ پرستی کے خلاف تبادلۂ خیال کیا۔
۱۱؍مئی: تین طلاق سے متعلق سپریم کورٹ میں شنوائی: رضا اکیڈمی وفد عازمِ دہلی
۱۲؍مئی: مذہبی امور کو سر بازار لانا آئینی حقوق سے انحراف، تین طلاق پر سپریم کورٹ میں مسلم فریق رضا اکیڈمی سربراہ الحاج محمد سعید نوری کا ردِعمل، سرکار کو مورد الزام ٹھہرایا اور کہا کہ شرعی و مذہبی معاملات میں

حکومت کی منشا مسلم مخالف، شریعت میں کسی طرح کی مداخلت ہرگز منظور نہیں۔
۱۴؍مئی: سپریم کورٹ میں رضا اکیڈمی و جماعت رضائے مصطفیٰ کی جانب سے تین طلاق سے متعلق پٹیشن داخل۔
۱۸؍مئی: اختلافات کے باوجود بھی مسلمان شریعت کے تحفظ کے لیے بیدار رہیں۔
۲۰؍مئی: دہلی میں علما کی میٹنگ میں یہ اعلان جاری کیا گیا کہ طلاق دینا ناپسندیدہ عمل ہے؛ اس لیے اس سے ممکن حد تک بچیں۔ اور ایسے مسئلے میں علما سے رجوع ہوں۔
۲۵؍مئی: اندھیری کی غوثیہ مسجد میں رمضان میں افطار و تراویح کے لیے عارضی شیڈ معاملہ میں رضا اکیڈمی کی قیادت میں ڈی سی پی سے ملاقات کی گئی۔
۲۵؍مئی: طلاقِ ثلاثہ کا فیصلہ شریعت کے مطابق ہو، اس ضمن میں علماے کرام سے نمازِ جمعہ میں خصوصی دعا کی اپیل کی گئی۔
۲۶؍مئی: سپریم کورٹ کے فیصلے سے متعلق شرعی تحفظ کے تئیں مسلمانوں سے دعا کی اپیل۔

جون ۲۰۱۷ء

۵؍جون: عالم اسلام سے رضا اکیڈمی کی اپیل: ۱۰؍رمضان المبارک یومِ وصال حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو ''یوم مادر'' کے طور پر منائیں۔
۱۲؍جون: مفتی محمد شعیب رضا نعیمی (دامادِ تاج الشریعہ) کا وصال اہلِ سنت کا عظیم نقصان: الحاج محمد سعید نوری نے تعزیت کی اور ایصالِ ثواب کیا گیا۔
۱۲؍جون: شہداے بدر و غازیانِ بدر کو خراج عقیدت پیش کرنے کی رضا اکیڈمی کی اپیل۔
۲۳؍جون: یوم بیت المقدس منانے کی اپیل کی گئی۔
۲۶؍جون: دہشت گردی کی مذمت میں عید الفطر کو سادگی سے منانے کی اپیل کی گئی۔

جولائی ۲۰۱۷ء

۸؍جولائی: ۱۵؍جولائی کو یوم درود شریف منانے کی اپیل کی گئی۔
۹؍جولائی: ملک میں شریعت کے تحفظ و مسلمانوں کی حفاظت و صیانت کے لیے ۱۵؍جولائی کو یوم درود کے بطور منانے کی اپیل کی گئی۔
۹؍جولائی: ہندوستان کے متفکر مسلمانوں کے لیے ۱۵؍جولائی ایک اہم اور یادگار دن ثابت ہوسکتا ہے: الحاج محمد سعید نوری کا بیان۔
۱۰؍جولائی: مسلمانوں کی زبوں حالی و رحمت الٰہی کے نزول کے لیے ۱۵؍جولائی یوم درود کے طور پر

منانے کے لیے مختلف سرگرمیاں جاری۔

۱۱؍جولائی: ۱۵؍جولائی یوم درود منائے جانے سے متعلق اعلان پر ترکی کونسل جنرل سے رضا اکیڈمی وفد کی ملاقات۔

۱۱؍جولائی: ملک بھر میں یوم درود منانے کی تیاریاں زوروں پر۔ مختلف شہروں میں بھی بیداری پائی گئی۔

۱۲؍جولائی: امبرناتھ یاتریوں پر دہشت گردانہ حملہ کی رضا اکیڈمی نے مذمت کی اور دہشت گردی کے خلاف احتجاج کیا گیا۔ مینارہ مسجد کے پاس ریلی نکالی گئی اور دہشت گردی کی مذمت ہوئی،

۱۳؍جولائی: یوم درود کے لیے تیاریاں جاری، پورے ملک میں جوش وخروش۔ مختلف پروگرامز کے انعقاد کا اعلان۔

۱۴؍جولائی: قیام امن وتحفظ مسلمین کے لیے درود پاک کا وظیفہ کیا جائے: الحاج محمد سعید نوری

۱۵؍جولائی: پورے ملک میں ''یوم درود'' منایا گیا، نعت وسلام کی محافل منعقد کی گئیں۔ علما نے قیام امن ومسائل کے حل کے لیے دعا کی۔

۱۶؍جولائی: ہمیں تلوار کی ضرورت نہیں، درود پاک ہمارا ہتھیار ہے، جس سے دنیا امن پاتی ہے۔ سنی بڑی مسجد میں یوم درود کی محفل میں مولانا نور محمد کا اظہارِ خیال۔

۱۶؍جولائی: ممبئی میں اعلیٰ حضرت کا ۱۶۶؍واں جشن یوم ولادت بڑے ہی اہتمام کے ساتھ منایا گیا۔

۱۷؍جولائی: ممبئی کی درجنوں مساجد میں یوم درود پر محفل درود کے ورد کا اہتمام ہوا۔ سمتوں سے الحاج محمد سعید نوری کو عمدہ تاثرات ورپورٹیں موصول ہوئیں۔

۱۸؍جولائی: رضا اکیڈمی نے امبرناتھ یاتری کے جاں باز بس ڈرائیور سلیم شیخ کا استقبال وحوصلہ افزائی کی

۲۳؍جولائی: جمعہ کو یوم تحفظ قبلۂ اول منانے کا علماے اہلِ سنت کا فیصلہ،

۲۳؍جولائی: اسرائیلی فورس نے قبلۂ اول کی پامالی کی تمام حدیں پار کرلیں۔ علماے کرام نے تحفظ قبلۂ اول کے لیے بیداری کا پیغام دیا۔

۲۵؍جولائی: سنی بلال مسجد میں علماے کرام کی احتجاجی نشست میں اسرائیلی جارحیت کی مذمت کی گئی۔

۲۶؍جولائی: رضا اکیڈمی وسنی جمعیۃ العلماء نے اسرائیل کی مذمت میں اپیل جاری کی۔

۲۷؍جولائی: قبلۂ اول میں اقوام متحدہ مسلم امن فوج تعینات کرے۔ انٹرنیشنل کریمنل کورٹ میں اسرائیلی مظالم کے خلاف مقدمہ چلایا جائے۔ علماے اہلِ سنت کی قیادت میں رضا اکیڈمی کا ایرانی کونسل جنرل کو میمورنڈم ومطالبہ

۲۸؍جولائی: قبلۂ اول کی بازیابی ومظلوم فلسطینیوں کی تائید میں درجنوں مساجد میں دعا وپرامن احتجاج۔

۳۰؍جولائی: قبلۂ اول کی بازیابی کے لیے مسلمانوں کے جذبے کو عالمی سطح پر محسوس کیا گیا اور سراہا گیا۔

اگست ۲۰۱۷ء

یکم اگست: مسجد اقصیٰ میں اذان ونماز کی اجازت مسلمانوں کی فتح، مسلمان تشکر کے لیے نماز ادا کریں: الحاج محمد سعید نوری کی اپیل۔

۸؍اگست: غازی آباد کے اعلیٰ حضرت حج ہاؤس کو دوبارہ جاری کیا جائے، رضا اکیڈمی کا مطالبہ

۸؍اگست: رضا اکیڈمی کا وفد فلسطینی سفارت خانہ پہنچا اور یہ اظہار کیا کہ مسجد اقصیٰ اللہ کی امانت ہے جس کی بازیابی ہمارا فریضہ ہے۔

۱۱؍اگست: غازی آباد اعلیٰ حضرت حج ہاؤس دوبارہ جاری کرنے کے لیے رضا اکیڈمی نے جنتر منتر دہلی میں احتجاجی دھرنا دیا جس میں احمد پٹیل بھی شریک ہوئے۔

۱۶؍اگست: بہار سیلاب زدگان کی امداد کے لیے دفتر رضا اکیڈمی میں ہنگامی میٹنگ طلب کی گئی۔

۱۸؍اگست: قوم؛ بہار سیلاب زدگان کی امداد کے لیے مالی تعاون کی اپیل: رضا اکیڈمی

۱۹؍اگست: جمعہ میں بہار سیلاب متاثرین کے لیے لاکھوں روپے چندہ جمع کیا گیا۔ رضا اکیڈمی کی اپیل پر مساجد میں بھی چندہ ہوا۔

۲۴؍اگست: تین طلاق سے متعلق سپریم کورٹ کے فیصلے پر رضا اکیڈمی نے علماے کرام کا اجلاس بلایا۔

۲۵؍اگست: طلاقِ ثلاثہ پر سپریم کورٹ فیصلے کا ترجمہ کروا کر علما کو دیے جانے کا اعلان کیا گیا۔

۲۷؍اگست: رضا اکیڈمی نے اجتماعی قربانی کا اہتمام کیا، اور تبرک غریبوں میں تقسیم کیا۔

۲۸؍اگست: بہار سیلاب متاثرین کے لیے ریلیف لے کر رضا اکیڈمی وفد بہار روانہ۔

۲۹؍اگست: رضا اکیڈمی وفد نے بائسی بہار کے علاقے میں اناج وکپڑے تقسیم کیے۔

۲۹؍اگست: ممبئی میں لگاتار موسلا دھار بارش کی وجہ سے اذان کا اہتمام کیا گیا۔

ستمبر ۲۰۱۷ء

۷؍ستمبر: سرکار اقدس ﷺ کی توہین کرنے والی خاتون کے خلاف علماے اہلِ سنت کی ہنگامی میٹنگ، برما میں مسلمانوں پر مظالم کے خلاف بھی تبادلۂ خیال ہوا۔

۷؍ستمبر: آر این سنگھ نے رسول کریم ﷺ کی شان میں بے ادبی کی، جس کے خلاف ایف آئی آر درج،

۹؍ستمبر: رضا اکیڈمی کا دوسرا وفد الحاج محمد سعید نوری کی قیادت میں بہار سیلاب متاثرین کے لیے ریلیف لے کر روانہ، جس کے لیے مالیگاؤں، بھیونڈی ودیگر مقامات سے رقم جمع کی گئی تھی۔

۱۳؍ستمبر: جشن ولادتِ حضور مفتی اعظم پر محفل کا انعقاد۔
۱۶؍ستمبر: سرکار اقدس ﷺ کی شان میں توہین کرنے والی خاتون کے خلاف ایف آئی آر درج۔
۲۱؍ستمبر: روہنگیا مسلمانوں کی تعلیمی راحت رسانی وانسانی ضروریات کی تکمیل ضروری: الحاج محمد سعید نوری
۲۴؍ستمبر: ناگپور ائیر پورٹ پر حاجیوں کے پہلے کارواں کو قرآن مع ترجمہ کنزالایمان تحفہ پیش کیا گیا۔
۲۸؍ستمبر: اورنگ آباد ائیر پورٹ پر حجاج کی خدمت میں قرآن مع ترجمہ کنزالایمان تحفہ پیش کیا گیا۔
۲۹؍ستمبر: بابری مسجد کے تعلق سے نئے سرے سے کوئی گفتگو بے سود ثابت ہوگی۔ عدالتی فیصلے کا انتظار کریں: رضا اکیڈمی

اکتوبر ۲۰۱۷ء

۳؍اکتوبر: امریکہ میں بے قصوروں کے قتل کی رضا اکیڈمی نے مذمت کی۔
۹؍اکتوبر: نئی حج پالیسی کے خلاف احتجاج کی تیاری۔
۱۰؍اکتوبر: ممبئی میں حاجیوں کے قافلہ کی خدمت میں رضا اکیڈمی نے قرآن مع ترجمہ کنزالایمان پیش کیا۔
۱۱؍اکتوبر: حکومت کی نئی حج پالیسی شریعت میں مداخلت: رضا اکیڈمی
۱۶؍اکتوبر: رضا اکیڈمی نے مرکزی اقلیتی امور کے وزیر کو ایک مکتوب لکھ کر نئی حج پالیسی کی خلافِ شرع نکات کو خارج کرنے کی گزارش کی۔

نومبر ۲۰۱۷ء

عرس رضوی کے مبارک موقع پر رضا اکیڈمی کی جانب سے درج ذیل کتابیں فراہم کی گئیں:

[۱] قرآن مع ترجمہ کنزالایمان وتفسیر خزائن العرفان
[۲] حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
[۳] فتاویٰ رضویہ
[۴] فتاویٰ مفتی اعظم
[۵] جذباتِ برہان
[۶] ۳۱۳؍اسمائے بدریین
[۷] مسلکِ اعتدال
[۸] تجلیاتِ تاج الشریعہ
[۹] فتاویٰ امجدیہ
[۱۰] مرأۃ المناجیح
[۱۱] شرح حدائق بخشش
[۱۲] معجم الصحابہ
[۱۳] فیوض غوث یزدانی
[۱۴] تعلیم الغوثیہ
[۱۵] نہج البلاغۃ
[۱۶] شانِ مصطفیٰ بہ زبانِ مصطفیٰ ﷺ
[۱۷] فقہ حنفی اور امام احمد رضا
[۱۸] تفسیر الم نشرح
[۱۹] یادگارِ رضا (سال نامہ رضا اکیڈمی)

☆☆☆

''نوری مشن'' کی خدمات پر ایک تاثر

از: مفتی ولی محمد رضوی، سنی تبلیغی جماعت، باسنی ناگور شریف 9461380418

اہلِ سنت وجماعت اور مسلک اعلیٰ حضرت سے سچی ہم دردی رکھنے والے خوش بخت اور سعادت مند حضرات میں کام کرنے کا جذبہ وحوصلہ برابر زندہ وتابندہ ہے، مولیٰ تعالیٰ ایسے جیالے مجاہدوں کو شاد وآباد، گلِ گل زار اور باغ وبہار رکھے، آمین۔

جو حضرات بھی دین وسنیت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت کی طرف پیش قدمیاں کر کے زرّین کارنامے انجام دے رہے ہیں؛ ایسے حضرات کی قدردانی ہونی چاہیے اور ان کے لیے برابر دُعا بھی کرنی چاہیے۔ بالخصوص رضا اکیڈمی ممبئی، مجلس برکات مبارک پور، امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف، برکات رضا پور بندر گجرات اور ''نوری مشن'' مالیگاؤں وغیرہم؛ ہماری یادگاری اور تاریخی تحریکیں ہیں،

''نوری مشن'' مالیگاؤں نوجوانوں کی بلند حوصلہ تحریک وتنظیم ہے، جس کے روحِ رواں عزیزم غلام مصطفیٰ رضوی ہیں، جو بڑے مخلص اور صاحبِ قلم ہیں۔ اس تنظیم نے اب تک ۹۶؍کتب ورسائل شان دار پیمانے پر اشاعت کر کے ہندوپاک میں ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کر کے ایک قابلِ قدر کارنامہ انجام دیا ہے اور نوجوان نسل کو اہلِ سنت وجماعت ومسلک اعلیٰ حضرت کا روحانی وعرفانی جام پلا کر واقعی مجاہد سنیت بنانے کی مساعی جمیلہ کی ہے۔

علمی وتحقیقی لٹریچر کی فراہمی میں بھی ہمہ تن مصروف عمل ہے۔ ''نوری مشن'' کی شائع کردہ کئی ایک کتب ورسائل کو دیکھنے کا موقع ملا؛ کتاب کا بہت خوب انتخاب کرتے ہیں، ''نوری مشن'' کے زیر اہتمام جو بھی کتب شائع ہوتی ہیں عمدہ ٹائٹل کے ساتھ دیدہ زیب ہوتی ہیں، ساتھ ہی فلاحی ورفاہی کام بھی انجام دیے جارہے ہیں، میں ان کے اس جہد مسلسل اور عمل پیہم کی قدر کرتے ہوئے مولیٰ عزوجل کی بارگاہ میں دست بہ دُعا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ ''نوری مشن'' کے اربابِ حل وعقد، اور معاونین کو خوب خوب ترقی عطا فرمائے، تاکہ یہ ہر جگہ کامیاب وبامُراد رہیں، قوم وملت کے حوصلہ مند اہلِ ثروت کو چاہیے کہ وہ ان حضرات کی دامے، درہمے، قدمے، سخنے مدد کریں اور ہر طور پر ان کی تائید وحمایت کریں تاکہ یہ حضرات مشکلات وحالات کا مردانہ وار مقابلہ کر سکیں اور آخری دم تک دین وسنیت اور مسلک اعلیٰ حضرت کا پرچم بلند کرتے رہیں۔ ؎

زندگی زندہ دلی کا نام ہے		مُردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں

❁❁❁